ماہنامہ المرشد

مئی 2016ء

رجب المرجب/شعبان المکرم 1437ھ

عَنْ اُمِّ اَنَسٍ رضی اللہ عنہا قَالَتْ یَارَسُوْلَ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَوْصِنِیْ قَالَ اُھْجُرِی الْمَعَاصِیَ فَاِنَّھَا اَفْضَلُ الْھِجْرَۃِ وَحَافِظِیْ عَلَی الْفَرَائِضِ فَاِنَّھَا اَفْضَلُ الْجِھَادِ وَاَکْثِرِیْ مِنْ ذِکْرِ اللہِ فَاِنَّکِ لَا تَأْتِیْنَ اللہَ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ ذِکْرِ اللہِ...

(المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث:313، ج:25، ص:129)

حضرت اُمِّ انس رضی اللہ عنہا نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیں۔ فرمایا: گناہوں سے بچ کیونکہ یہ بہترین ہجرت ہے۔ فرائض کی پابندی کر کیونکہ یہ بہترین جہاد ہے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کر کیونکہ اللہ کے دربار میں ذکرِ الٰہی سے زیادہ پسندیدہ، کوئی چیز نہیں پیش کر سکے گی۔

سب سے اعلیٰ وخوش نصیب وہ لوگ ہیں جو قربِ الٰہی کو اپنی منزل بناتے ہیں۔ جن کی ساری کوشش اللہ کریم کی رضا اور قرب کو پانا ہے۔ (صفحہ نمبر 8)

شیخ المکرم حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

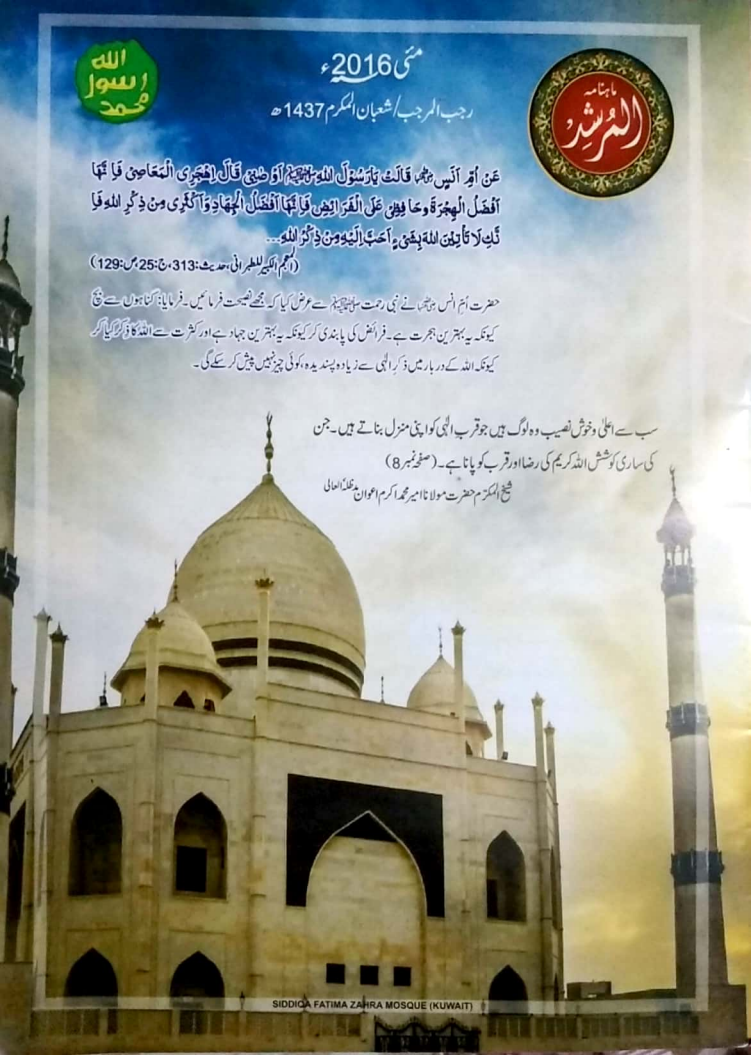

تصوف

تصوف کیا ہے؟

تصوف کی اہمیت روح کے لیے ویسی ہی ہے جیسی طب کی بدن کے لیے۔ چونکہ روح اصل انسان ہے اور لافانی ہے لہٰذا اس کی صحت و بقا بھی بہت زیادہ قابل توجہ اور اہم ہے۔ انسانی وجود کی طرح روح کو بھی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ روح کی بیماریاں اس لیے انتہائی خطرناک ہیں کہ ان کی تشخیص ظاہری نگاہ سے ممکن نہیں اور اس کی بیماری کی علامات ظاہر ہونے میں وقت بھی لگتا ہے۔ روح کسی بھی دُکھ درد سے دوچار ہو، اس کا نقطہ آغاز اور نقطہ انجام ایک ہی ہے اور وہ ہے ''غفلت''۔ جب بھی یہ اپنے مالک سے غافل ہوگا، اس کا ازلی دشمن ابلیس موجود ہوگا اور پھر یہ ہمنشین بن جائے گا اور بالآخر وہ دنیا میں اللہ سے بے پروا ہو کر زندگی گزارے گا۔

تصوف روح سے تمام بیماریوں کو پاک کرنے کا فن ہے۔ اس کی پہلی تجویز کردہ دوا ہے ذکر اللہ اور اس فن کے ماہرین مشائخ کہلاتے ہیں۔ اُن کی زیر نگرانی مریض کے قلب سے تکبر، حسد، بغض، ریا، کینہ، حب جاہ، حب دنیا، حرص وغیرہ کو نکال باہر کیا جاتا ہے۔ یہ شعبہ سب سے قیمتی ہے کہ انسانی روح اصل انسان ہے اور اسے فنا نہیں۔ یہ اتنی لطیف ہے کہ ہر فکر، ہر قول، ہر فعل اسے متاثر کرتا ہے۔ ماحول کی کثافت، اعمال کی نحوست اسے بیمار کر دیتی ہے۔ اس کی صحت کو قرآن ''اطمینان'' کے نام سے موسوم فرماتا ہے اور حتمی فیصلہ دیتا ہے: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد: 28) کہ خوب سن لو! دلوں کا اطمینان صرف ذکر اللہ سے ممکن ہے۔ اطمینان و سکون اس لیے فرمایا کہ ہر خرابی ایک کانٹا ہے جو دل کو تڑپاتا ہے۔ ہر برائی دل کو بے قرار اور پریشان کرتی ہے۔ نفرت، کینہ، بغض کے کانٹے دل کو بے سکون رکھتے ہیں۔ اس میں صرف اللہ ہو تو محبتیں ہوتی ہیں، ماحول خوشگوار ہوتا ہے۔ یہ کام از خود نہیں ہوتا۔ اس کے لیے طبیب دل چاہیے اور ذکر اللہ کا وظیفہ چاہیے جو صحبتِ شیخ میں ہی میسر آتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ماہنامہ
المرشد
PS/CPL#15

مئی 2016ء رجب المرجب/شعبان المکرم 1437ھ

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	شیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
طریقۂ ذکر		5
کلام شیخ	سیماب اویسی	6
اقوال شیخ	انتخاب	7
قرب الٰہی	شیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	شیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	15
اکرم التفاسیر سورۂ لقمان،31تا34	شیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	21
سوال وجواب	شیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	29
خواتین کا صفحہ	ام فاران، راولپنڈی	35
بچوں کا صفحہ	ع خان، لاہور	37
حیاتِ جاوداں جلد اول سے اقتباس	ابوالاحمدین	39
غبارِ راہ، جلد اول سے اقتباس	شیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	45
مسائل جمیلہ	الاخوات، لاہور	48
Translated Speech	Ameer Muhammad Akram Awan M.Z.A	54
Tassawuf	Maulana Allah Yar Khan(RAU)	57
Tassawuf	Maulana Allah Yar	

Khan(Rau

جلد نمبر 37 شمارہ نمبر 9

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت/سری لنکا/بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرقِ وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 سٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فار ایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

انتخاب جدید پریس لاہور 042-36309053 ناشر: عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن ورابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی روڈ ٹاؤن شپ، لاہور
Ph: 042-35180381
Mob:0303-4409395
Email:monthlyalmurshed@gmail.com

ختم خریداری کی اطلاع
یہاں اس دائرے میں اگر کراس X کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ www.oursheikh.org
Ph:0543-562200, Fax:0543-562198 Email:darulirfan@gmail.com

''قرآنِ حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے۔''

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل تفسیر قرآنِ حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِهٖۤ .... فَذَبَحُوۡهَا وَمَا کَادُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ. (البقرہ: 67-71)

یہ وہی اسرائیلی ذہن ہے ورنہ مقصد اتباع نبوی ﷺ ہے اور ایک معمولی گائے یا دنبہ ذبح کر کے ان برکات میں اپنی حیثیت کے مطابق حصہ دار بن جانا جو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ذبیح اللہ کی گردن پر چھری رکھ کر حاصل ہوئی تھیں، کس قدر عظیم بات ہے اور اللہ کا کتنا احسان ہے۔ اپنے اندر اخلاقِ ابراہیمی کی جھلک پیدا کرنا ہی کتنا کمال ہے، یا ارکان حج ادا کر کے ان مخصوص تجلیاتِ باری کو اخذ کرنا جو اس کے بغیر ممکن ہی نہیں، کس قدر عظمت کا حامل ہے۔ جس ہستی نے یہ ارکان بجالانے کا حکم نوعِ انسانی تک پہنچایا ہے، کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی تعمیر سیرت کر سکتا ہے۔ تاریخ انسانی میں کوئی ایسا ہے؟ ہرگز نہیں، اور یہ اپنے آپ کو مہذّب لکھنے والے جانور، یونیورسٹیوں اور کالجوں میں انسانی بچوں کو جانوروں جیسی عادات سکھا کر ارکانِ دین پر طنز کرتے ہیں۔

ذرا اُس معاشرے کو اپنے معاشرے کے مقابل رکھ کر دیکھو، انسانیت کس طرف ہے اور نوعِ انسانی کی فلاح کس بات میں ہے؟ یقیناً تم پر اتباعِ نبوّت کی عظمت عیاں ہو جائے گی اور تم سمجھ سکو گے کہ کالج اور یونیورسٹی بھی وہی مفید ہے جو اتباعِ نبوّت سکھائے، ورنہ سب بوچڑ خانے ہیں جہاں انسانیت کی کھال اتاری جاتی ہے۔ پھر اتباعِ نبوّت، نبی پر مکمل اعتماد کا نام ہے۔ یہ لگے ہیں بیخ نکالنے، جی بھلا وہ کیسی گائے ہے؟ فرمایا نہ بچھڑی ہے نہ بوڑھی۔ ان باتوں میں نہ پڑو، میاں اللہ نے حکم دیا ہے کر گزرو اور دیکھو کیا ہوتا ہے۔ مگر جناب پھر بولے جی! یہ تو فرما دیجئے، اپنے ربّ سے سوال کیجئے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ فرمایا، اللہ فرماتا ہے زرد رنگ کی مزیدار اور چمک رکھنے والی ہو، دیکھ کے جی خوش ہوتا ہو۔ اب پھر بولے ایسی بھی کئی گائیں ہیں، ذرا اپنے رب سے عرض کریں۔ مجال ہے جو ہمارا ربّ کہیں ''موسیٰ تیرا ربّ'' ہر بار یہی کہتے تھے، سو عرض کریں کچھ اور نشاندہی بھی ہو جائے۔ ہم، اللہ نے چاہا تو اب کے ضرور پالیں گے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ اس بار انشاء اللہ نہ کہتے تو بات تک نہ پہنچ پاتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا حکم ہوا ہے وہ گائے نہ ہل میں جوتی گئی، نہ اُس نے کھیتی سیراب کی، نہ اُس کے جسم پر کوئی داغ ہے کسی طرح کی محنت و مشقت کا یا مار پیٹ کا۔ کہنے لگے اب بات بنی، اب آپ ٹھیک سمجھا سکے ہیں اور پھر ایک گائے خرید کر خواہی نخواہی ذبح کر ہی دی۔

یہاں اللہ کریم اپنا احسان ارشاد فرما رہے ہیں کہ تمہارے اجداد کیسے تھے اور کس قدر کم ہمت تھے اطاعت نبی کے معاملے میں، مگر ہمارا کرم دیکھو کہ پھر بھی ان کی قربانی قبول فرمائی اور اس پر جو نتیجہ مرتب ہونا چاہئے تھا، وہ مرتب فرمایا، ورنہ ان کی طرف سے اس قدر کوتاہیاں ہوئی تھیں کہ اس پر کچھ بھی مرتب نہ ہوتا اور وہ ضائع ہو جاتی۔ مگر انہیں صرف دُنیاوی سختی دیکھنا پڑی کہ جس قدر سوال کرتے گئے قیود بڑھتی چلی گئیں، اگر شروع میں کوئی گائے ذبح کر دیتے تو وہی کام دے جاتی۔

اداریہ

یکم مئی

انسانی دسترس ہر پہلو میں کسی نہ کسی حد پر ساکت ہوجاتی ہے سوائے مقصدِ تخلیق کے کہ قربِ الٰہی کی ترقی کا تسلسل عطا کے انحصار سے رواں رہتا ہے۔

یکم مئی پہ جب مزدور کے حقوق کی بات ہوتی ہے تو عقل تاریخ کے اوراق پلٹتے ہوئے حقوق وفرائض کی مساوی تقسیم کے اصول ڈھونڈتی ہے۔ آج کل مغرب کی پیروی کرنا گھمبیر مسائل کا حل سمجھا جاتا ہے اور مغربی تہذیب مساوات کا کوئی پہلو تاریخ کے پردے پر عیاں کرنے سے قاصر ہے۔ تاریخِ مغرب میں پرانے اصول وضوابط رومن ایمپائر کے ملتے ہیں مگر خود تاریخ ہی اُمراء کے مشاغل میں، محض تفریح کے لئے، انسانی خون کے بہانے کا پتا دیتی ہے۔

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ پوری دنیا میں کسی معاشرے کی قدر، اعلیٰ تہذیب، فلاحی قانون یا حقوق وفرائض کی مساوی تقسیم ہو، تاریخِ انسانی میں اس کا پہلا قدم ظہورِ اسلام میں ملتا ہے۔ اسلامی قوانین مسلسل تیئس (23) سال میں مکمل ہوئے اور آئندہ آنے والے تیس (30) سال میں یہ قوانین معلوم دنیا کے تین حصوں پر نافذ ہو چکے تھے۔ ہم پر بحیثیت مسلمان اللہ پاک کا بہت ہی بڑا احسان ہے کہ ہمیں نبی کریم آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا اُمتی بنایا الحمدللہ! اُمتی کا تعلق عقیدت کا ہوتا ہے اور عقیدت اتباع چاہتی ہے اور اتباع تحقیق سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔ اُس کی لُغت میں "کیوں" اور "کیسے" نہیں ہوتے جبکہ معترض جب بھی دیکھنا چاہے گا تحقیق سے دیکھے گا اور تاریخ اُسے تاریخی حقائق کے روبرو لا کھڑا کرے گی۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب نے دینِ اسلام کے دنیاوی اصول اختیار کیے۔ انہیں دنیاوی اُمور میں ترقی حاصل ہوئی اور ہم مسلمان کہ جس کا عقیدت کا تعلق ہے، ہم نے بحیثیت قوم دینی اور دنیاوی دونوں اصول چھوڑ دیئے تو ہمارا مقدر سرِ راہ بھیک کی صدا ٹھہری۔

عزیزانِ من! یہ زندگی فقط گزارنے کو نہیں بیشک یہ دنیا ایک دھوکا ہے۔ مگر جب مقصد پر نظر جم جائے تو لمحہ لمحہ انتہائی قیمتی ہوجاتا ہے۔ ضرورت ہے کہ زندگی کے شب وروز نبی کریم ﷺ کے اتباع سے مزین ہوں اور ہر لمحہ قربِ الٰہی کی تڑپ میں گزرے۔ یہی وہ راستہ ہے جو ہمیں دنیا وآخرت کی کامیابی کی ضمانت دیتا ہے۔ گزر تو بے عمل کی بھی جائے گی، مگر قرآنِ پاک کی یہ تنبیہہ وجود ہلا کے رکھ دیتی ہے۔

اقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (بنی اسرائیل:14)

اپنی کتاب پڑھ لے آج کے دن تو خود ہی اپنے لئے حساب لینے والا کافی ہے۔

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔
ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔
شیخ المکرم مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقہ ذکر

ذکر شروع کرنے سے پہلے یہ تسبیحات پڑھیں: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ O اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ O اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ O اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O پھر ذکر شروع کردیں طریقہ نیچے درج ہے۔

پہلا لطیفہ: مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے، چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اللہ دل میں اترے اور خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے، ہو کیا جا رہا ہو۔

چھٹا لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور جسم پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

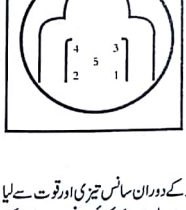

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ تو جہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔ ذکر کے بعد دعا مانگیں اور آخر میں شجرہ سلسلہ عالیہ پڑھیں جو اگلے صفحہ پر درج ہے۔

شجرہ مبارک

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

الٰہی بحرمتِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

الٰہی بحرمتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمتِ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت داوٗد طائی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ابوایوب حضرت محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ سلطان العارفین حضرت خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت قلزم فیضات حضرت اعلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ختم خواجگان خاتمۂ مَن وخاتمۂ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہٗ العالی بخیر گردان

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ
مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔
بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

کلامِ شیخ

شیخ المکرم شاعری فرماتے ہیں ان کے دو تخلص ہیں سیماب اور فقیر۔ شعری مجموعے درج ذیل ہیں۔

گردِ سفر	کون سی ایسی بات ہوئی ہے	نشانِ منزل
متاعِ فقیر	دل دروازہ	سوچ سمندر
آس جزیرہ		دیدۂ تر

"مردانِ مر"

نظر کے سامنے آیا نہ منظر آگہیوں کا
اگرچہ در پہ جھک جانا مقدر ہے جبینوں کا

جہاں مردانِ حر لڑتے ہوں اک ہیبت سی ہوتی ہے
نہیں باطل کو ہوتا خوف ہرگز نازنینوں کا

جواں قومیں ہوا کرتی ہیں بس خونِ شہیداں سے
سروں کا تاج بنتا ہے اِنہی خوش تر نگینوں کا

وہی زندہ ہے جس کی قوم زندہ ہے زمانوں میں
زمیں کی پیٹھ پر ورنہ وہ لقمہ ہے زمینوں کا

محبت نام ہے سب کے فدا ہونے کا، مٹنے کا
یہی حاصل ہے بالآخر محبت کے قرینوں کا

ہو جن کا عشق صادق وہ سمندر چیر جاتے ہیں
بھلا دیوانہ کب محتاج ہوتا ہے سفینوں کا

اگر تعمیر ہی مقصود ہو تو عمر لگتی ہے
نہیں ہے کام یہ سیماب سالوں کا، مہینوں کا

سیماب اویسی "آس جزیرہ" سے انتخاب

1- اللہ اتنا کریم ہے کہ جب بھی کوئی اپنی اصلاح کرتا ہے وہ اُسے قبول فرمالیتا ہے۔ گذشتہ کوتاہیاں معاف فرمادیتا ہے۔ آگے کام کی توفیق عطا فرمادیتا ہے۔ (المرشد، نومبر 2015ء، ص:13)

2- نجات ہے جنت جانے کے لیے محنت۔ تصوف ہے اللہ کو پانے کے لیے محنت۔
(المرشد، ستمبر 2014ء، ص:12)

3- ایک لمحہ ضائع نہ ہونے دو، پہلے لمحے میں خلوص سے توبہ کرو۔ (المرشد، دسمبر 2014ء، ص:10)

4- ساری پریشانیوں کا علاج توبہ اور صرف توبہ ہے۔ (المرشد، جون 2014ء، ص:12)

5- اتباع صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی کرو۔ اپنی رائے پر آؤ گے تو مارے جاؤ گے۔ اپنا نفس نیکی سے گریز کرنا سکھاتا ہے۔ (المرشد، اپریل 2014ء، ص:15)

6- جس کام کا مقصد حصولِ دنیا ہو، وہ کام دین نہیں ہوتا۔ (المرشد، جون 2015ء، صفحہ:27)

7- باہمی اُلفت ثمرۂ ایمان ہے جو آج دعوائے اسلام کے باوجود عنقا ہے۔ یہ بات ہر مسلمان کے لیے لمحۂ فکریہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ (اسرار التنزیل، جلد:3، ص:104)

8- محبت کا تقاضا یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ہر فیصلے پر دل راضی ہو جائے۔
(اکرم التفاسیر، جلد:5، ص:106)

9- یاد رہے! عبادات اصلاحِ احوال میں سب سے زیادہ معاون ہیں۔
(اکرم التفاسیر، جلد:3، ص:82)

10- دین نام ہی اتباع رسالت ﷺ کا ہے۔ جہاں کوئی حضور ﷺ کے اتباع سے نکلے گا وہاں وہ دین سے نکل گیا۔ (اکرم التفاسیر، جلد:3، ص:136)

11- شیخ اور مرید میں جو نسبت ہوتی ہے وہ دنیا کے لئے نہیں ہوتی، وہ محبت اللہ کے لئے ہوتی ہے، ایمان ویقین کے لئے ہوتی ہے، آخرت کے لئے ہوتی ہے اور قربِ الٰہی کے لیے ہوتی ہے۔
(اکرم التفاسیر، جلد:3، ص:66)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی ○ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ○ اَرَءَیْتَ اِنْ کَانَ عَلَی الْھُدٰٓی ○ اَوْاَمَرَ بِالتَّقْوٰی ○ اَرَءَیْتَ اِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ○ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی ○ کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ لَنَسْفَعًا ۢ بِالنَّاصِیَۃِ ○ نَاصِیَۃٍ کَاذِبَۃٍ خَاطِئَۃٍ ○ فَلْیَدْعُ نَادِیَہٗ ○ سَنَدْعُ الزَّبَانِیَۃَ ○ کَلَّا ط لَا تُطِعْہُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ○ (علق 9-19)

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○ مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ۔

ترجمہ: بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو منع کرتا ہے ایک بندے کو جب وہ عبادت کرنے لگتا ہے۔ بھلا دیکھو! اگر یہ راہِ راست پر ہو یا پرہیزگاری کا حکم کرے۔ دیکھو تو اگر اس نے (دینِ حق) کو جھٹلایا اور (اس سے) منہ موڑا۔ کیا اس کو معلوم نہیں کہ اللہ دیکھ رہے ہیں۔ دیکھو! اگر وہ باز نہ آئے گا تو ہم (اس کو) پیشانی کے بالوں سے گھسیٹیں گے۔ اس جھوٹے خطا کار کی پیشانی کے بال۔ تو وہ اپنے ہم مجلسوں کو بلالے۔ ہم بھی (اپنے) مؤکلانِ دوزخ کو بلائیں گے۔ خبردار! اس کا کہنا ماننا اور سجدہ کرنا اور (اللہ کا) قرب حاصل کرتے رہنا۔

تیسویں پارے میں سورۃ العلق کی آخری آیات کی تلاوت کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ انسان جب ہوش سنبھالتا ہے تو نادمِ واپسیں ہر شخص کا کوئی نہ کوئی ٹارگٹ ہوتا ہے۔ کوئی نہ کوئی منزل ہوتی ہے۔ وہ ساری زندگی محنت، کوشش کرتا رہتا ہے کہ اپنی منزل کو پائے، اپنے ٹارگٹ کو Achieve کرے۔

یہ الگ بات ہے کہ کس کا کیا ٹارگٹ ہے اور کس نے اپنے لیے کیا منزل مقرر کی ہے۔ ہر منزل کے حصول کے اصول اور طریقے اپنے ہوتے ہیں۔ محنت بھی خاص طرح کی کرنا پڑتی ہے۔ اگر کوئی انجینئر بننا چاہتا ہے تو اور قسم کی محنت کرنا پڑتی ہے۔ اگر ڈاکٹر بننا چاہتا ہے تو اسے اور رمضا میں پڑھنے پڑتے ہیں۔ کوئی سیاست کرتا ہے تو اور طرح کی محنت کرنا پڑتی ہے۔ کوئی دولت چاہتا ہے تو اور طرح کی محنت ہوتی ہے۔ بہرحال ہر آدمی کوئی منزل مقرر کرتا ہے۔ بہت خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جو اپنی منزل، آخرت کی کامیابی کو مقرر کر لیتے ہیں۔ یہ بہت عجیب بات ہے کہ جب ہم دنیا کو، اقتدار کو، دولت کو اپنی منزل مقرر کرتے ہیں تو عموماً آخرت ضائع کر بیٹھتے ہیں۔ دنیا کی کسی نعمت کو اگر زندگی کا ماحصل سمجھ لیں تو عموماً اس سے آخرت تباہ ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر آخرت کو منزل بنائیں تو دنیا بھی سنورتی ہے۔

آخرت کی منازل میں، عقبیٰ کے حالات میں، میدانِ حشر میں، اللہ کی بارگاہ میں، سب سے اعلیٰ و خوش نصیب وہ لوگ ہیں جو قربِ الٰہی کو اپنی منزل بناتے ہیں۔ جن کی ساری کوشش اللہ کریم کی رضا اور قرب کو پانا ہوتا ہے۔ اس کے لیے اللہ کریم نے تین طریقے بتائے ہیں۔ پہلا قاعدہ چونکہ انتہائی اہم ہے لہٰذا اس پہ ذرا زیادہ بحث فرمائی ہے۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ اس راہ کے مسافر اس پہ کم توجہ دیتے ہیں، اور یہ بہت عجیب

بات ہے کہ منزل تو قربِ الٰہی ہو اور اس شق پہ توجہ کم ہوتی ہے۔

یہ پہلی شق ہے اللہ کی نافرمانی اور اللہ کے نافرمانوں سے دُور رہنا یعنی خود بھی نافرمانی نہ کرے اور جو کرتے ہیں اُن سے دُور رہے۔ اس شق پہ اکثر توجہ کم دی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کیا کریں، مل کے رہنا ہے، گزارہ کرنا ہے۔ تو اس طرح کے بہانے تراش کر احتیاط کم کرتے ہیں۔

دوسری شق ہے وَاسْجُدْ۔۔۔ کہ اطاعتِ الٰہی اور عبادات میں سب سے اعلیٰ ترین حالت اور اللہ کے قریب تر جو مقام ہے وہ سجدہ ہے۔ کوئی بھی نیک کام آپ کرتے ہیں وہ عبادت ہے۔ جتنا بھی سنت کا اتباع کرتے ہیں، عبادت ہے۔ جب نماز کے لیے دنیا سے الگ ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں، اللہ کی خلوص اور صدقِ دل سے عبادت کرتے ہیں تو قیام سے رکوع افضل ہے اور رکوع سے سجدے کی حالت افضل ہے۔ جتنا قریب تر اللہ تعالیٰ کے بندہ ہو سکتا ہے وہ سجدے میں ہوتا ہے۔

وَاسْجُدْ۔۔۔ زندگی اس طرح گزارو گویا تم ہمہ وقت سجدہ کر رہے ہو یعنی پورے خلوص، پوری طلب، احتیاط اور پوری محنت سے خوب مجاہدہ کرو۔ وَاقْتَرِبْ۔۔۔ اور اللہ کا قرب حاصل کرتے رہو۔ کتنا قرب حاصل کریں؟ اس کی کوئی انتہا نہیں ہے کہ کہیں کوئی ایسا مقام نہیں آتا کہ بس وہاں اللہ کریم جلوہ افروز ہیں اور آگے کچھ نہیں ہے۔ ایسا کوئی مقام نہیں آتا۔ نوعِ انسانی میں سب سے اعلیٰ ہستیاں انبیاء علیہم السلام ہیں۔ ساری تخلیق باری میں اللہ کے رسول، پیغمبر، اللہ کے نبی افضل ترین ہیں۔ حضور آقائے نامدار ﷺ تمام انبیاءؑ کے بھی نبی ہیں، امام ہیں۔ آپ ﷺ تمام رسولوں کے بھی رسول ہیں، امام المرسلین ہیں۔ آپ ﷺ کے مقامات و مدارج آپ ﷺ جانیں یا آپ ﷺ کا پروردگار جانے، کوئی تیسری ہستی اس کا علم نہیں رکھتی۔

علم کی ایک حد ہوتی ہے، جہاں تک کسی کی رسائی ہو۔ جو چیز ادراک ہی سے بالا ہو، اس کا علم کیسے ہو سکتا ہے؟ ادراک کی بھی ایک حد ایک Limit ہوتی ہے۔ آپ ﷺ چونکہ انبیاء علیہم السلام کے بھی امام ہیں، نبیؐ اور رسولؐ ہیں تو انبیاءؑ بھی آپ ﷺ کے مقامات کی انتہا کو نہیں پا سکتے۔ اُن کے ادراک سے بھی آپ ﷺ کے منازل اعلیٰ تر ہیں، تو پھر ماوشما کی حیثیت کیا ہے۔ اس کے باوجود زندگی کے ہر لمحے حضور اکرم ﷺ کو قربِ الٰہی میں ترقی نصیب ہو۔

وَاقْتَرِبْ۔۔۔ اور قرب حاصل کرو۔ آپ ﷺ کے منازل بلند ہوتے رہے۔ آپ ﷺ نے دنیا سے پردہ فرمایا اور برزخ میں جلوہ افروز ہوئے۔ آپ ﷺ کا لایا ہوا دین، آپ ﷺ کا بتایا ہوا کلمہ طیبہ، آپ ﷺ کے سکھائے ہوئے طریقے جاری و ساری ہیں۔ اب طریقہ اذان کو ہی دیکھیں کہ دن بھر کوئی لمحہ ایسا نہیں کہ زمین پہ اذانیں بلند نہ ہو رہی ہوں۔ دنیا کا نقشہ سامنے رکھ لیں اور سورج کے سفر کا، طلوع و غروب کا اندازہ کریں تو کہیں مغرب ہو رہی ہے، کہیں فجر ہو رہی ہے، کہیں ظہر ہو رہی ہے تو کہیں عصر ہو رہی ہے، کہیں عشا ہو رہی ہے۔ کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے کہ روئے زمین کے کسی نہ کسی گوشے میں اللہ کے بندے سربسجود نہ ہوں۔ کائنات کو یہ سارا کس کے طفیل نصیب ہوا؟ یہ سب نبی کریم ﷺ کے طفیل نصیب ہوا۔ تو جتنی نیکی کردار و افکار میں، ایمانیات و اخلاقیات میں کی جاتی ہے، یہ ساری تعلیماتِ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ بعثتِ عالی سے لے کر قیامت تک جہاں بھی کوئی بندہ خلوص سے نیکی کرتا ہے تو جتنا اجر اُس کا ہے، اس سے زیادہ اجر نبی کریم ﷺ کا ہے۔ دنیا میں کتنی عبادت ہو رہی ہے، اس کا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ برزخ میں بھی نبی کریم ﷺ کی کتنی ترقی ہوتی ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ یہ بات اللہ جانے اور اس کا رسول ﷺ جانے۔ اللہ ورسولہٗ اعلم۔

حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ میدانِ حشر میں لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور گزارش کریں گے کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں دعا کریں، عرض کریں کہ حساب کتاب شروع ہو اور یہ عرصہ محشر ختم ہو کہ یہ بڑا لمبا ہو گیا اور عرش میں کھڑا رہنا تو آسان نہیں۔ یقیناً یہ وہ

لوگ ہوں گے جو نجات یافتہ ہوں گے کہ جو گرفتارِ بلا ہوں گے، اُن کے پاس فرصت ہی کہاں ہوگی۔ اس لمبی بحث میں نہیں جاتا کہ وہ لوگ مختلف اولوالعزم انبیاءؑ کی خدمت میں جائیں گے اور وہ سب معذرت کریں گے۔ بالآخر یہ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں گزارش کریں گے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں سجدہ کروں گا اور مجھے وہ کلمات تعلیم کیے جائیں گے جو میں پہلے نہیں جانتا۔ سجدے کی حالت میں نئے کلمات کی تعلیم گویا آپ ﷺ کے منازل و مقامات میں ترقی ہوگی۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں وہ کلمات ادا کر کے دعا کروں گا تو حساب کتاب شروع ہوگا۔

جنت میں تو ہر لحہ ہر نعمت میں ترقی ہوگی۔ گویا راہِ سلوک میں کوئی منزل آخری منزل نہیں ہے۔ صوفی اور سالک تو یہاں کا سنگ ریزہ ہے، اس کی یہاں حیثیت ہی کیا ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جو اتباعِ محمد رسول اللہ ﷺ سے نصیب ہوتا ہے۔ یہ وہ منزل ہے جسے زندگی کا حاصل سمجھ کر اپنی منزل بنانا چاہیے۔ ہاں! شاید مجھے باتوں میں یاد نہ رہے، اس آیت میں سجدہ واجب ہے۔ پڑھنے اور سننے والوں پر ایک سجدہ واجب ہے کہ یہ آیت سجدہ ہے۔

قرآنِ کریم میں حنفیوں کے نزدیک چودہ آیاتِ سجدہ ہیں جبکہ شافعیہ کے نزدیک ایسی پندرہ آیات ہیں جن کے پڑھنے اور سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ ایک مجلس میں اگر کئی بار بھی دہرائی جائیں تو بھی ایک ہی سجدہ واجب ہوگا لیکن دوسری مجلس میں دہرائیں گے تو پھر سجدہ واجب ہو جائے گا۔

قرآنِ کریم سے جو حکم ثابت ہوتا ہے وہ فرض اور واجب ہوتا ہے، فرمایا: وَاقْتَرِبْ۔۔۔ اللہ کا قرب حاصل کرو، یہ حکم ہے، یہ کیسے حاصل ہوگا؟ وَاسْجُدْ۔۔۔ اس کا طریقہ ہے کہ جس خلوص، تذلل اور عاجزی سے تو سجدہ کرتا ہے، دنیا کا ہر کام قربِ الٰہی، رضائے الٰہی کی خاطر، اسی خلوص اور عاجزی سے کر۔

اس سے پہلے بڑی طویل پرہیز بتائی گئی کیونکہ عموماً اس میں بہت بد پرہیزی ہوتی ہے، فرمایا: اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى۔۔۔ نبی کریم ﷺ بیت اللہ شریف میں نماز ادا فرمانے جاتے تھے تو ابوجہل روکنے کی کوشش کرتا تھا۔ ان آیاتِ کریمہ کا شانِ نزول یہی ہے لیکن مفہوم بہت وسیع ہے کہ جہاں کوئی اللہ کی اطاعت یا نبی کریم ﷺ کے اتباع سے روکے، اُس سے بچو۔ ارشاد ہوا ہے کہ بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو منع کرتا ہے۔ ایک بندے کو جب وہ عبادت کرنے لگتا ہے۔ پھر فرمایا: اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى۔۔۔ بھلا دیکھو! اگر راہِ راست پر ہو۔ انسان کو شک گزر سکتا ہے کہ روکنے والا بھی شاید اس سے کوئی بہتر بات جانتا ہو۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ دیکھو اگر یہ نیکی یا ہدایت پر ہوتا، اس کے پاس اس سے بہتر بات ہوتی تو اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى۔۔۔ تو یہ اور زیادہ خلوص سے مزید اطاعت کرنے کا حکم دیتا۔ یہ تو اطاعت سے روک رہا ہے۔ یہ سوچنا کہ جو منع کر رہا ہے اس کے پاس شاید کوئی بہتر متبادل ہوگا، فرمایا یہ سوچ ہی غلط ہے۔ اگر اس کے پاس بہتر متبادل ہوتا تو یہ روکتا نہیں بلکہ اس کام کو مزید بہتر کرنے کا مشورہ دیتا۔ یہ تو برے سے منع کر رہا ہے لہٰذا اس کا دامن بھلائی سے خالی ہے۔

اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى۔۔۔ تو دیکھ لو، جب یہ انکار کرتا ہے اور اللہ کی راہ سے روگردانی کرتا ہے تو اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى۔۔۔ کیا یہ اس بات سے غافل ہو چکا ہے کہ اللہ دیکھ رہے ہیں؟ کیا اسے حضورِ حق کا یقین نہیں رہا؟ ایک بندہ نیکی سے کیوں روکتا ہے یا برائی کیوں کرتا ہے؟ جب اُسے حضورِ حق کا اعتبار نہیں رہتا۔ اللہ ہمیں معاف فرمائیں، ہم اپنا اندازہ کریں تو ہم سے بھی بہت گناہ ہو جاتے ہیں۔ ایک بات کا اہتمام کریں کہ آپ میرے بارے نہ سوچیں، میں آپ کے بارے نہ سوچوں، بلکہ ہر شخص اپنے بارے غور کرے کہ جب ہم گناہ کرتے ہیں تو کیا ہمیں حضورِ حق کا خیال ہوتا ہے؟ نہیں ہوتا۔ جب کوئی بندہ دیکھ رہا ہو تو ہم بھی غلط کام نہیں کرتے۔ اگر ہمیں یہ یقین ہو کہ اللہ دیکھ رہا ہے تو کیا ہم وہ کام کر سکتے ہیں؟ اللہ کریم نے

گناہ کی بنیادی وجہ اور اساس بتادی کہ جب تم میرے حاضر و ناظر ہونے سے میرے حضور سے غافل ہو جاتے ہو پھر گناہ ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ جو تم کر رہے ہو میرے روبرو کر رہے ہو۔

اس کا علاج تو پھر یہی ہوا کہ ہر وقت حضورِ حق میں رہا جائے۔ اللہ کا ذکر ہوتا رہے، اللہ کو یاد کرتے رہو تا کہ عظمتِ الٰہی کا ادراک ہوتا رہے، اللہ کی بات ہوتی رہے۔ فرمایا، اے مخاطب تُو نے دیکھا جب وہ انکار کرتا ہے یاروگردانی کرتا ہے۔ اسے یہ خبر نہیں ہوتی کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ خبر ہوتی تو برائی نہ کرتا، نیکی سے نہ روکتا۔ ایک بات یاد رہے کہ دنیا دارِ عمل ہے اور ایک حد تک ہر شخص کو کام کرنے کی اجازت ہے۔ بعض کام جب حد سے بڑھتے ہیں تو عذاب نازل ہو جاتا ہے۔ جیسا اُن لوگوں پر بھی ہوا کہ ابوجہل دو بچوں کے ہاتھوں ذلیل و رسوا ہو کر میدان بدر میں قتل ہوا اور قلیب بدر میں ڈالا گیا۔ فرمایا: كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۔۔۔ یہ ہے دیکھو لو! اگر ایسے لوگ باز نہ آئے یعنی اچھائی سے روکنے والا، نیکی سے منع کرنے والا، بھلائی میں رکاوٹ ڈالنے والا اگر اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا تو لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۔۔۔ ہم اسے بہت ذلت کے ساتھ گرفتار کریں گے۔ فرمایا چوٹی سے پکڑا جائے گا جیسے کسی کو سر کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا جاتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ نہایت ذلت آمیز طریقے سے گرفتار ہوگا۔

فرمایا: نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۔۔۔ اس جھوٹے خطاکار کی پیشانی کے بال، اُن سے پکڑ کر یعنی ذلیل کر کے اُسے گرفتار کیا جائے گا۔ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۔۔۔ پھر اپنے حمایتیوں کو بلا لے۔ ہمت کرے اور اللہ کے مقابلے میں اُنہیں بلا لے جو دنیا میں اُس کے مشیر تھے۔ جو اُسے برائی پر اُکساتے تھے، گناہ کی طرف لے کر جاتے تھے، انہیں بلا لے۔ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۔۔۔ ہم بھی دوزخ کے مؤکلان کو حکم دیں گے کہ اسے گرفتار کرو۔ ارشاد ہوتا ہے: كَلَّا ط لَا تُطِعْهُ ۔۔۔ ہرگز، ہرگز کبھی بھی ایسے بندے کی بات نہ مانو جو نیکی سے روکتا ہو۔ کبھی بھی، کسی حال میں بھی اس کی بات نہ مانو۔ تم کیا کرو؟ فرمایا، وَاسْجُدْ ..... تم اللہ کی اطاعت اس خلوص سے کرو جیسے تم ہر وقت سجدے میں ہو۔ جو کام کرتے ہو، جو بات کرتے ہو وہ حدودِ اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ محمد رسول اللہ ﷺ میں ہو اور اس خلوص سے ہو جیسے تم سجدہ کرتے ہو۔ تم اپنا مقصد رکھو وَاقْتَرِبْ ۔۔۔ قربِ الٰہی یہ اصل مقصد ہے۔ آخرت کی کامیابی اللہ کی رحمت ہے، اللہ کا انعام ہے۔ جنت کی نعمتیں ارشاد فرما کر اللہ کریم فرماتے ہیں: وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ (المطففین: 26) نعمتوں کے شائقین کو چاہیے کہ اس میں رغبت کریں۔ انسان کو اگر لالچ ہی کرنا ہے تو ان نعمتوں کا کرے۔ انسان اگر بغیر لالچ کے کوئی کام نہیں کرتا تو پھر اُسے انہی ابدی نعمتوں کا لالچ کرنا چاہیے مگر یہ نعمتیں مقصد نہیں ہیں۔ مقصد قربِ الٰہی ہے۔ یہ نعمتیں اضافی فائدہ ہیں۔ قربِ الٰہی نصیب ہو گا تو یہ از خود نصیب ہوں گی۔

بات یوں سمجھ آتی ہے کہ انسان کے ہوش سنبھالنے سے لے کر موت تک اس کی منزل قربِ الٰہی ہونا چاہیے۔ اُسے ایک Normal زندگی گزارنی ہے جیسی زندگی نبی کریم ﷺ نے بسر فرمائی۔ اسے رشتے بھی نبھانے ہیں، شادیاں بھی کرنی ہیں اولاد بھی پالنی ہے۔ اسے کاروبار بھی کرنا ہے، دوستیاں دشمنیاں بھی نبھانی ہیں۔ اسے قومی اور بین الاقوامی سطح پر بھی اپنا کردار ادا کرنا ہے۔ سارے ہی کام زندگی کے کرنے ہیں لیکن ہر کام برائی اور بُرے لوگوں سے بچ کر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے دائرۂ اطاعت میں رہتے ہوئے پورے خلوص سے کرنا ہے۔ اس کی منزل ہوگی قربِ الٰہی!

اس دارِ فانی کی فانی زندگی میں ہمارے پاس قربِ الٰہی کے مشاہدہ یا دلائل ذوقی ہیں۔ دلیلِ ذوقی اُسے کہتے ہیں جو محسوس تو کی جاسکتی ہے لکھی یا پڑھی نہیں جاسکتی، بیان نہیں کی جاسکتی۔ کیفیات کو دلیلِ ذوقی کہتے ہیں۔ قربِ الٰہی کے دلائل بھی ذوقی ہیں، محسوس تو کیے جاسکتے ہیں، Feel کر سکتے ہیں، لکھ پڑھ نہیں سکتے۔ یہ ساری راہِ سلوک دراصل اتباعِ رسالت مآب ﷺ میں قربِ الٰہی کے ذوقی دلائل ہیں۔ بندہ ایک لطیفہ قلب کرتا ہے تو یہ بھی قربِ الٰہی کا راستہ

ہے۔ دو نصیب ہو جائیں تو ترقی نصیب ہوگئی، اور قریب ہوگیا۔ ساتوں لطائف نصیب ہو جائیں تو اور قرب نصیب ہوگیا۔

بعض سلاسل میں نو لطائف ہیں، بعض میں گیارہ کرائے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں سات لطائف ہیں۔ سات لطائف نصیب ہونے کے بعد پھر ربط نصیب ہوگیا، مراقبات ثلاثہ نصیب ہوگئے تو اس سے اور آگے چلا گیا، تو یہ قربِ الٰہی کی دلیل ہے۔ اسی طرح آگے فنا بقا نیب ہوگئے تو ایک حد تک ابجد تو طے ہوگئی۔ آگے بڑھتا گیا، سالک المجذوبی تک چلا گیا، منازلِ بالا تک گیا یا جہاں تک بھی گیا، یہ سارے منازل کے بعد دیگرے قربِ الٰہی پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ دلیل ہے کہ وہ اپنے راستے پر صحیح جا رہا ہے، منازل کو پا رہا ہے اور یہ منازل ختم ہونے میں نہیں آتے۔

یہ بات اکثر مطالعہ میں آئی ہے کہ بے شمار حضرات کے بارے میں ملتا ہے کہ فلاں نے فلاں جگہ سے سلوک مکمل کرلیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اُن حضرات کو اتنا ہی پتا تھا، اس سے آگے وہ جانتے نہیں تھے ورنہ یہ ختم نہیں ہوتا۔ یہ اس دنیا میں ختم ہوتا ہے نہ آخرت میں ختم ہوگا کہ ترقی قربِ الٰہی بڑھتی رہے گی، درجات بڑھتے رہیں گے۔ کبھی کہیں کوئی ایسا مقام نہیں آئے گا کہ یہاں تو اللہ کریم بیٹھے ہیں اور آگے کچھ نہیں ہے۔ سلوک ختم ہونے کا تو یہی مطلب ہوا نا کہ اب آپ اللہ کی بارگاہ میں آگئے، اب بس آگے اللہ ہی اللہ ہے۔ ایسی کوئی جگہ نہیں۔

دراصل ہوتا یہ ہے کہ ہمیں بدکار، نیکی سے روکنے والوں کی مجلسیں ان سے دوستی کے تعلقات اس طرف آنے نہیں دیتے۔ ہمیں دنیا کی طرف لے جاتے ہیں کہ یہ کرو، اتنے پیسے ملیں گے، عہدہ ملے گا یا شہرت ملے گی۔ انہی باتوں میں لگائے رکھتے ہیں۔ خود آتے ہیں نہ دوسروں کو آنے دیتے ہیں۔ اللہ کریم نے بڑی سختی سے منع فرمایا ہے كَلَّا ط لَا تُطِعْهُ ۔۔۔ ہرگز ایسے بندے کی بات نہ مانو۔ اب یہ سب سے مشکل کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو شعور مجھے بخشا ہے، اللہ کریم کی عطا سے جو بات میں سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ اس کا مدار اپنی Conviction پہ ہوتا ہے کہ آپ اس راہ میں کتنی سنجیدگی سے آئے ہیں۔ ہمارا سارا خاندانی نظام، ہمارے آباؤ اجداد، جہاں تک ہم جانتے ہیں، جن کے بارے سن کر جانتے ہیں اُن میں زیادہ تر کاشتکار یا فوجی تھے۔ الحمدللہ! ہمارا خاندان ہمیشہ سے نماز روزے کا پابند، دینی خاندان تھا اور دیہات میں عموماً دینداری زیادہ رہتی ہے۔ دیہات میں وہ آلائشیں جو شہروں میں ہوتی ہیں، کم ہوتی ہیں۔ لوگ زیادہ تر نماز اور روزے کے پابند ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارے خاندان میں صوفی کوئی نہیں تھا، نہ ہی ہمیں اس کا پتا تھا۔

اللہ کریم نے توفیق بخشی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا دامن تھاما۔ نصف صدی سے زیادہ عرصہ بیت چکا ہے، ساٹھ برس ہونے کو ہیں اور خاندان میں کوئی دوسرا صوفی نہیں ہے لیکن مجھے آج تک کسی نے نہیں کہا کہ یہ کیوں کر رہے ہو۔ اللہ بہتر جانے کیوں نہیں کہا لیکن میرا اندازہ ہے کہ جب ہم خود مضبوط ہوتے ہیں، ہماری اپنی Conviction ہوتی ہے تو دوسرا نہیں روکتا۔ جب ہم خود کمزور ہوتے ہیں تو پھر دوسرا مشورے دیتا ہے کہ یار یہ کیا کر رہے ہو؟ اس میں کیوں وقت ضائع کر رہے ہو؟ بندہ جب طے کرلے تو پھر اس کا فیصلہ اتنا Solid ہونا چاہیے کہ جو روکنا چاہے وہ خود محسوس کرلے کہ اسے روکنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ کیفیات ہوتی ہیں جو دلوں سے دلوں کو چلتی ہیں۔ ان میں الفاظ نہیں ہوتے، زبان کام نہیں کرتی۔ آپ نے زندگی میں مختلف لوگ دیکھے ہوں گے۔ بعض اوقات آپ نے کسی چیز سے کسی کو روکنا چاہا ہوگا تو دل نہیں کرتا اُسے روکنے کو کہ اسے چھوڑو، اسے روکنے کا فائدہ نہیں۔

اگر آپ کے فیصلے میں اتنی جان ہو تو کوئی آپ کو منع نہیں کرتا، کوئی نہیں روکتا، یہ نہیں کہتا کہ یہ کیوں کر رہے ہو۔ اگر کوئی روکتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ہمارا فیصلہ بنیادی طور پر کمزور ہے۔ دوسری بات یہ ہوتی ہے کہ جب یہ فیصلہ کمزور ہوتا ہے تو ہم اس راہ کی عجائبات کا شوق تو رکھتے ہیں لیکن اس کی طرف توجہ کم ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگ

اب بھی ہیں جنہوں نے لطائف تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھے، پون صدی ہوگئی سیکھے، لیکن ابھی تک لطائف ہی کر رہے ہیں۔ کبھی آجاتے ہیں، کبھی نہیں آتے۔ انہیں ساری زندگی یہ خیال نہیں آیا کہ اس سے آگے بھی چلیں حالانکہ یہ واجب ہے۔ وَاقْتَرِبْ۔۔۔ حکم دیا گیا ہے کہ قرب حاصل کرو۔

اس میں یہ نہیں ہوتا ہے فلاں کے مراقبات ہوگئے تو اس سے حسد ہوجائے۔ نہیں! بلکہ رشک ہوتا ہے کہ فلاں کو ہوگئے تو مجھے بھی اللہ کریم عطا کرے، مجھے کیوں نہیں ہو رہے؟ پھر بندہ اپنی اصلاح کرتا ہے، محنت کرتا ہے۔ الحمدللہ! میں نے سالوں کے حساب سے لطائف کیے، حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں، مجھے صحیح یاد نہیں۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس نے تین سال لطائف کیے۔ میرے سامنے ایسے لوگ آئے جو ایک ہفتہ ٹھہرے، لطائف کیے، مراقبات بھی کیے، فنا بقا تک مراقبات کیے، فنا فی الرسول ہوئے، روحانی بیعت نصیب ہوئی۔ ایک ہفتے میں سارا کچھ کر کے چلے گئے۔ ہم لطائف پر ہی ہوتے، تو رشک ہوتا تھا کہ اللہ کریم ہمیں بھی نصیب کرے۔ دُکھ نہیں ہوتا تھا، خوشی ہوتی تھی۔ ہمارے ساتھ ایک بزرگ ساتھی بابا دوست محمد ہوتے تھے، وہ سادہ سے آدمی تھے، ضعیف تھے اور اَن پڑھ تھے۔ ہم اکٹھے لطائف کیا کرتے تھے۔ پھر اُنہیں فنا بقا تک مراقبات نصیب ہوگئے، بہت اچھے مشاہدات نصیب ہوگئے۔

میں نے حضرتؒ سے عرض کی کہ حضرت میں اکیلا ذکر کرتا رہتا ہوں، بابا جی گھر تے تو فارغ ہیں، تو آپ انہیں اجازت دیں کہ یہ کچھ عرصہ میرے ساتھ رہیں، ہم مل کر ذکر کیا کریں گے۔ حضرتؒ نے فرمایا یہ تمہارا ہم سبق ہے اور تم اس سے ہنس کھیل لیتے ہو، مذاق کر لیتے ہو۔ تو اگر یہ تمہیں ذکر کرائے گا تو اُستاد کی عزت دینا پڑے گی جو بے تکلفی میں نہیں ہو پاتی۔ میں نے کہا، جی بے تکلفی تو گزر گئی، جب یہ ہمارے ہم سبق تھے تو ہم بے تکلف تھے۔ اب اللہ نے انہیں نوازا ہے تو اب ان سے بے تکلفی تو ویسے بھی نہیں ہوسکتی۔ احترام تو ویسے بھی کریں گے، سردیوں کا موسم تھا، پھر وہ کئی مہینے میرے پاس رہے۔ حضرتؒ انہیں میرے ساتھ ذکر کرایا کرتے تھے تو ہمیں کوئی حسد نہیں ہوتا تھا۔ ہاں یہ خواہش ضرور ہوتی تھی اور یہ خواہش واجب ہے کہ زور لگاؤ، آگے بڑھو، آگے حاصل کرو، مزید حاصل کرو۔

مجھے جو شکایت ہے وہ یہ ہے کہ کشف و مشاہدات کا تو ہمیں شوق ہوتا ہے لیکن مراقبات کا نہیں ہوتا جن کی طلب واجب ہے۔ وہ ہم بھول جاتے ہیں اور جو ایک اضافی فائدہ ہے اس پر توجہ دیتے ہیں۔ کشف اللہ کا انعام ہے، نعمت ہے لیکن یہ اضافی فائدہ ہے۔ کسی نہ کسی صورت میں یہ انعام ہر صوفی کو عطا ہوجاتا ہے۔ کسی کو کوئی چیز نظر آجاتی ہے، کسی کو نظر نہیں آتی لیکن اُسے وجدان ہوجاتا ہے کہ بات دل میں آجاتی ہے۔ یہ بات قطعی اور یقینی ہوتی ہے۔

اُمِ موسیٰ ؑ کو مشاہدہ نہیں ہوا تھا۔ فرمایا، وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰی۔۔۔ (القصص: 7) اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام فرمایا۔ بات اُن کے دل میں آگئی اور وہ اتنی مضبوط تھی کہ انہوں نے بچہ دریا میں ڈال دیا۔ صوفی کو بھی وجدان ہوجاتا ہے۔ کشف اللہ کا انعام ہے۔ اور کوئی نہ کوئی صورت بن جاتی ہے کہ کشف یا وجدان ہر صوفی کو نصیب ہوتا ہے۔ وجدان میں خطرہ کم ہوتا ہے اور کشف میں غلطی لگنے کا اندیشہ زیادہ ہوتا ہے۔ میں بہت مرتبہ عرض کر چکا ہوں کہ کشف خود صاحب کشف کے لیے دلیل بن جاتا ہے جبکہ وہ شریعت کے مطابق ہو۔ اگر وہ اس پر عمل نہ کرے تو ممکن ہے کوئی دنیوی نقصان ہوجائے لیکن دینی یا اُخروی نقصان نہیں ہوتا۔ وہ صرف نبیؑ کا کشف ہے جس کی مکلف ساری اُمت ہے جبکہ ولی کے کشف کا مکلف صرف وہ خود ہوتا ہے۔ اگر کوئی ولی کے کشف کو مانتا ہے یعنی خود کو اس کا مکلف سمجھتا ہے تو پھر اس نے اُسے نبیؑ مان لیا ہے۔

توجہ اس بات پر ہونی چاہیے کہ یہ دلائل ذوقی، یہ قرب الٰہی کے شواہد، یہ منازل مجھے بھی نصیب ہونے چاہئیں۔ اس کی طرف دوستوں کی توجہ کم ہے۔ یہ میرا اندازہ ہے مجھے یہ شکایت ہے اور میں

دیکھتا ہوں کہ کسی کے مراقباتِ ثلاثہ کرائے ہیں تو بارہ سال سے مراقباتِ ثلاثہ پہ ہی بیٹھے ہیں۔ بھئی تمہیں خیال نہیں آیا کہ میں کچھ اور حاصل کرلوں؟ کہاں کھو گئے؟ جدھر سے اللہ کریم نے منع فرمایا تھا کہ ان لوگوں کی بات نہ ماننا، اُن کی مجلس میں، اُن کی باتوں میں آگئے۔ کسی کو فنا فی الرسول نصیب ہوا، روحانی بیعت بھی ہوئی پھر برسوں بیت گئے اُسی پہ ہیں۔ کسی کو فنا بقا نصیب ہوا، کوئی سالک المجذوبی پہ ہے۔ جہاں جس کو دیکھتا ہوں وہ بڑے مزے سے وہاں بیٹھا ہے۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی، حکم ہو رہا ہے وَاقْتَرِبْ۔۔۔ اللہ کا قرب حاصل کرو۔ زندگی کا ہر لمحہ اس پہ لگاؤ کہ کچھ مزید حاصل ہو جائے، اور حاصل ہو جائے۔

حضور اکرم ﷺ کے ارشادِ عالی کا مفہوم کہ جنتیوں کو جنت میں کوئی حسرت نہیں ہوگی، سوائے اس حسرت کے کہ کچھ اور آگے حاصل کر لیتے۔ یہ حسرت جنتی کو جنت میں بھی ہوگی کہ جس منزل پہ موت آئی ہے اس سے میں کچھ اور آگے نکل گیا ہوتا، کچھ اور حاصل کر لیتا۔ وہاں تو لمحے لمحے میں جہان بدل جائیں گے۔ جو ایک منزل پہ ہوگا اس کا جہان ہوگا، جو چند لمحے آگے ہوگا اس کا جہان ہی الگ ہوگا۔ یہ تو ختم نہ ہونے والی زندگی ہے اور یہ جستجو تو واجب بھی ہے۔ وَاقْتَرِبْ۔۔۔ قرب حاصل کرو، زیادہ سے زیادہ حاصل کرو۔

میرے بھائیو! اپنی ساری محنت اسی بات پہ لگاؤ کہ زیادہ سے زیادہ مراقبات حاصل ہوں کہ یہ دلائل ذوقی ہیں۔ یہ قربِ الٰہی کے دلائل ذوقی ہیں۔ تمام نفل عبادات میں افضل ترین درجہ مراقبات کا ہے۔ فرائض تو فرض ہیں اُن سے چھٹکارا ممکن نہیں، اس کے علاوہ جو نیک کام کیا جاتا ہے وہ نفل ہے۔ نفل کا معنی ہے جو اصل سے زائد فائدہ ہوتا ہے، منافع آتا ہے نفل ہے۔ نفل کا معانی منافع ہوتا ہے۔ نوافل میں سب سے اعلیٰ درجہ مراقبات کا ہے۔ مراقبات سب سے اعلیٰ درجے کے نوافل ہیں۔ اللہ نے حکم دے دیا وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔۔۔ کردار کو ایسا کر لو گویا تم ہر وقت سربسجود ہو۔ یہ ترقی کا راستہ ہے، اور آگے ترقی کرو۔ آگے بڑھو اور مزید قرب حاصل کرو۔

اللہ کریم عطا کرنے والے ہیں اور جو وہ عطا کریں اس پہ کسی انسان کا بس نہیں کہ وہ اُسے کم کر دے یا زیادہ کر دے۔ اللہ کریم کی اپنی مرضی ہے، اپنا نظام ہے۔ مجھے اس بات پہ دکھ ہوتا ہے کہ ساتھی ایک مراقبے پہ بیٹھ کیوں رہتے ہیں، آگے کیوں نہیں جاتے؟ یہ زمانے سدا نہیں رہتے۔ حضرتؒ ہمیشہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ آگے بڑھو، جہاں تک جا سکتے ہو۔ یہ بات کوئی نہیں کہتا، متعین منازل تک مراقبے کرائے جاتے ہیں۔ آج بھی حضرتؒ ہی کی برکات چل رہی ہیں اور یہ نعرہ گونج رہا ہے۔ اللہ کرے ہمیشہ رہے لیکن یہ چیزیں ہمیشہ نہیں رہتیں۔ باتیں معدوم ہو جاتی ہیں، زمانے بیت جاتے ہیں۔ چیزوں میں، واقعات میں، کیفیات میں کمی آنے لگ جاتی ہے۔ بہرحال وقت ہے کوشش کریں، بُروں سے بُرائی سے اجتناب کریں، نیکی، عبادات میں استقامت اور ترقی درجات کی طرف پوری توجہ رکھیں۔

اللہ کریم آپ کو توفیق بھی دیں، درجات میں ترقی بھی دیں اور قبول بھی فرمائیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O

دعائے مغفرت

1۔ منڈی بہاء الدین سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی میاں نوید احمد

2۔ منڈی بہاء الدین سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی مرزا محمد ارشد کے والد محترم

3۔ بھگووال منڈی بہاء الدین سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی عبدالقدیر کے والد محترم

4۔ راولپنڈی سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی اظہر رحمان کی والدہ محترمہ

5۔ گوجرانولہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی نوبہار کے والد محترم

6۔ مانسہرہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد اکرم

7۔ اٹک سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی سیّد علی شاہ کی والدہ محترمہ

8۔ گوجرہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی لیاقت علی جاوید

سورۃ الانعام

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک پر

الشیخ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ الاعلیٰ کا بیان

اہل اللہ کی فرح دائمی:

قولہ تعالیٰ: لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ (الانبیاء:103)

ترجمہ: ان کو بڑی گھبراہٹ غم میں نہ ڈالے گی۔

''اس سے وہ مقولہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل اللہ کو فرح دائم میسر ہوتا ہے اور ان کو جو عظمت کے سبب دونوں عالم میں، یا عقاب کا خوف دنیا میں ہوتا ہے وہ اس کے منافی نہیں چونکہ وہ مقتضاء عبدیت کا ہے۔''

فرماتے ہیں کہ قیامت کا حادثہ برپا ہوگا تو وہ اللہ کے نیک بندوں کو پریشان نہیں کرے گا، گھبراہٹ میں نہیں ڈالے گا۔ فرماتے نہیں اس سے دلالت ہے کہ جس پائے کے لوگوں کو قیامت نہیں گھبرا سکتی تو دنیا اور حوادثاتِ زمانہ انہیں کیسے گھبرا سکتے ہیں؟ اس کا مطلب ہے اللہ کے بندے زندگی بھی پرلطف اور پرسکون گزارتے ہیں اور دنیا کی کوئی پریشانی ان کے دل کو پریشان نہیں کرتی۔ رہا یہ کہ انہیں گرمی سردی لگتی ہے، دکھ تکلیف محسوس ہوتی ہے، تو فرمایا جو تقاضائے بشریت ہے چونکہ انسان ہوتے ہیں تو انسانی تقاضا جو ہے وہ اپنی جگہ پر ہے، یہ اس کمال کے منافی نہیں۔ لیکن وہ کبھی ناامید نہیں ہوتے یا غمزدہ نہیں ہوتے کہ اب میرا کچھ نہیں ہوسکتا، میرا کچھ نہیں رہا۔ اللہ اس سے ان کو محفوظ رکھتے ہیں۔

اہل اللہ کی برکات کا عام ہونا گوان کا قصدنہ ہو:

قولہ تعالیٰ: وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء:107)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں پر مہربانی کرنے کے لئے۔

''اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مقبولین کی برکات بلا اُن کے قصد کے تمام عالم کو پہنچتی ہیں، جیسے آفتاب کی شعاعیں بدون اس کے قصد وعلم کے سب کو پہنچتی ہیں۔''

فرمایا جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا کہ ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ حضور ارادہ فرمائیں تو وہ تو نورٌ علی نور ہوگیا۔ تو جہاں آپ ﷺ ارادہ نہیں فرماتے وہاں بھی حضور ﷺ کی رحمت اور برکات پہنچتی ہیں۔ آگے بات ہوتی ہے وصول کرنے والے پر۔ فرماتے ہیں اسی طرح اہل اللہ کی برکات بھی اُس زمانے کے تمام لوگوں تک پہنچتی ہیں۔ تو جس طرح سورج کے لیے ضروری نہیں کہ سورج چاہے کہ فلاں جگہ دھوپ لگے تو وہاں لگے اور جہاں وہ نہ چاہے وہاں نہ لگے۔ سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی کرنیں ہر نیک وبد پر پڑتی ہیں، یہی حال اہل اللہ کا ہوتا ہے۔

لیکن یہ بات یاد رہے کہ سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی شعاع جو ہے وہ شیشے پر بھی پڑتی ہے، پتھر پر بھی پڑتی ہے، خاک پر بھی پڑتی ہے، تو ہر کوئی اپنا اپنا اثر لیتا ہے۔ شیشے میں آگے ایک سورج بن جاتا ہے جو آگے منتقل کرتا ہے۔ پتھر کو کچھ بھی نہیں ہوتا، زمین پر پڑتی ہے تو اس میں نمو پیدا ہوتی ہے، چیزیں اگنے لگتی ہیں تو اس کا مطلب ہے برکات جو اہل اللہ سے آتی ہیں اس میں فرق نہیں ہوتا، وصول کرنے والے میں فرق ہوتا ہے۔ اب رحمتِ عالم کی تقسیم ہو رہی ہے تو کافر کو بھی دنیوی نعمتیں تو مل رہی ہیں۔ اس کے پاس زندگی کی مہلت ہے۔ گھر بار، اولاد، رشتے ناتے، سہولیاتِ زندگی سب کچھ ہوتا ہے لیکن

دین اور یقین آخرت کی اس میں استعداد ہی نہیں، وہ ایمان ہی نہیں لایا، اس لیے خود آخرت سے محروم ہے۔

دوستاں را کجا کنی محروم
چونکہ با دشمناں نظر داری

دشمنوں کو بھی فائدہ پہنچ رہا ہے تو دوستوں کو کتنا فائدہ پہنچتا ہوگا، وہ اللہ ہی جانے۔ تو فرماتے ہیں اہل اللہ کی مثال بھی اس طرح ہی ہوتی ہے کہ یہ جس زمانے میں ہوتے ہیں وہ زمانہ اُن سے مستفید ہوتا رہتا ہے۔

اہل اللہ سے علم غیب کی نفی:

قولہ تعالیٰ: وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ (الانبیاء:109)

ترجمہ: اور نہیں جانتا ہوں میں کیا قریب ہے یا بعید ہے۔

"اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل اللہ کو غیب کا علم نہیں، جیسے بعض جہلا اپنے پیروں کی نسبت اعتقاد کر بیٹھتے ہیں۔"

فرمایا کسی نے نبی ﷺ سے قیامِ قیامت کے بارے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ وہ قریب ہے یا دور۔ جس نے قیامت قائم کرنی ہے وہی جانتا ہے، اس کے وقت کا جاننا اُس کی شان ہے جس نے قیامت قائم کرنی ہے، تو میرا تو اس سے کوئی تعلق ہی نہیں، میں نے قیامت قائم نہیں کرنی ہے۔ تو فرمایا علمِ غیب خاصۂ خداوندی ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جو علوم عطا ہوتے ہیں وہ انہیں اللہ کریم عطا کرتے ہیں۔ سب سے بڑا غیب خود ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ اگر نبیؑ نہ بتائیں تو یہ کسی ذریعے سے تلاش کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ آخرت غیب ہے، جنت و دوزخ غیب ہے، فرشتے غیب ہیں، ہم نے تو نہیں دیکھے۔ یہ ساری وہ چیزیں ہیں جو ہم سے غائب ہیں لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھے بھی، فرشتوں سے باتیں بھی کیں۔ آخرت بھی دیکھی، جنت دوزخ کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ تو یہ اللہ کی شان ہے کہ جو غیب انبیاءؑ کے پاس ہوتا ہے، وہ اطلاع عن الغیب ہوتا ہے۔ اللہ انہیں غیب کی اطلاع فرما دیتا ہے۔ علمِ غیب اور شئے ہے، اطلاع عن الغیب ہونا اور بات ہے۔ تو علمِ غیب ہے کہ بغیر وسائل کے بغیر ذرائع کے جاننا ہو، یہ خاصہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور جو علوم اللہ عطا فرمادے انبیاءؑ کو، وہ قادر ہے۔ انبیاءؑ جانتے ہیں اللہ کے عطا کرنے سے۔ اب رہ گئی پیر صاحبان کی اور اولیاء کی بات، تو اولیاء اللہ غیب جاننے کے لیے نہیں ہوتے۔ اولیاء اللہ برکاتِ نبوت سینۂ نبوی ﷺ سے وصول کر کے لوگوں تک پہنچانے کے لیے ہوتے ہیں۔ تو یہی عقیدت رکھنی چاہیے۔ یہ سمجھ لینا کہ پیر صاحب غیب جانتے ہیں، یہ درست نہیں۔

سورۃ الحج

اصطلاح سکر کی اصل:

قولہ تعالیٰ: وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى (الحج:2)

ترجمہ: اور تجھ کو لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے۔

"اس میں غیر سکر کو تشبیہاً سکر کہہ دینے سے اس اصطلاح کی اصل نکل آئی کہ بعض حالاتِ باطنہ کو اسی مشابہت کے سبب سکر کہہ دیا جاتا ہے۔"

یہ آیت قیامت کے بارے ہے کہ حالات ایسے ہوں گے کہ ہر آدمی اپنے حال میں بے سدھ ہوگا، اسے دوسرے کی کوئی خبر نہیں ہوگی، ایسے جیسے نشے والے کو نشے میں کوئی خبر نہیں ہوتی۔ وہ اپنے آپ سے واقف ہوتا ہے نہ دوسرے کے دل سے، جیسے بے سدھ سا بیہوش سا ہو جاتا ہے۔ تو فرماتے ہیں اس سے اس بات کی اصل نکل آئی کہ سکر میں بندے کے دماغی توی جل جاتے ہیں، اسے ہوش نہیں رہتی، اسے ہی مجذوب سالک کہتے ہیں۔ لیکن بعض حالتوں میں صوفیا پر جب شدت ہوتی ہے کیفیات کی، تو ان کی کیفیت بھی ایسے ہو جاتی ہے جیسے انہیں کسی چیز کی خبر نہیں رہتی حالانکہ وہ مجذوب نہیں ہوتے، ان پر ذرائی سکر نہیں ہوتا۔ تو اس وقتی اور لحاظی کیفیت کو بھی فرماتے ہیں کہ بعض اوقات تشبیہاً سکر کہہ دیا جاتا ہے حالانکہ وہ حقیقی سکر نہیں ہوتا۔ جیسے یہاں لوگوں نے نشہ پیا نہیں ہوگا لیکن وہ نشے کی حالت میں نظر آئیں گے۔

ماخذ اس مسئلہ کا کہ صفات الٰہیہ مقتضی ظہور کو ہوئیں:

قولہ تعالیٰ: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى (الحج:6)

ترجمہ: اس سبب سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل ہے اور

وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے۔

''حق تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے تصرفاتِ بدیعہ کا سبب اپنی موجود اور کامل الذات والصفات ہونے کو فرمایا اور اس میں قریب قریب اس کی تصریح ہوگئی جو صوفیاء کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی صفات بوجہ اپنے جمیل ہونے کے مقتضی ظہور کو ہوئیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے خلق کو پیدا کیا، لیکن اس مقام میں دو امر اور سمجھنے کے قابل ہیں، ایک یہ کہ سبب تخلیق کا صرف یہی اقتضاء ظہور نہیں بلکہ اس میں اور حکم و مصالح بھی ہیں اور اَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى میں اسی طرف اشارہ ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ اقتضاء درجۂ اضطرار میں نہیں بلکہ حق تعالیٰ کے افعالِ اختیاریہ کے اظہار کا داعی ہے۔''

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ ۔۔۔ اللہ ہی اپنی ہستی میں کامل ہے، اللہ ہی حق ہے اور وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے، مُردوں میں جان ڈالتا ہے۔ تو اس میں فرماتے ہیں کہ تصرفاتِ بدیعہ، بدعت ہوتی ہے کسی چیز کا نئے سرے سے شروع کرنا جس کا وجود پہلے نہ ہو، تو اللہ نے ساری کائنات کو پہلے سے وجود عطا فرمایا۔ شریعت میں بدعت اس کام کو کہا جاتا ہے کہ جس کا ثبوت حضور ﷺ سے نہیں، سلف صالحین سے نہیں، ایک نئی بات دین میں شروع کر کے کہا گیا کہ یہ بھی ثواب ہے تو اسے ہی بدعت کہتے ہیں۔ تصرفاتِ بدیعہ سے مراد ہے کہ کچھ بھی نہیں تھا، اللہ نے اپنے تصرف سے ہر چیز کو عدم سے وجود عطا فرمایا۔ تو صوفیاء کہتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ کی ذات کامل ہونے کے سبب اور اس کی صفات حسین و جمیل ہونے کے سبب تقاضا کرتی تھیں اپنے اظہار کا، اور اپنے جمیل ہونے کے مقتضی ظہور کو، یعنی وہ ظاہر ہونے کا تقاضا کرتی تھی، حسنِ الٰہی ظاہر ہونے کا تقاضا کرتا تھا، اس لیے اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا۔

حدیث قدسی بھی ہے کہ کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرفو افخلقت الخلق ۔۔۔ میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا، پھر مجھے یہ بات پسند آئی کہ کوئی میرا جاننے والا ہو ان اعرفو ا ۔۔۔ کوئی مجھے پہچانے تو میں نے مخلوق کو پیدا فرما دیا۔ فرماتے ہیں صوفیا کہتے ہیں ذات وصفاتِ الٰہی کا جمال اور حسن جو تھا اُس کا تقاضا تھا کہ کوئی اُس کو جاننے والا بھی ہو، تو حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ایک سبب یہ بھی ہے تخلیق کا۔ لیکن کلی طور پر کہنا کہ یہی تخلیق کا سبب ہے یہ درست نہیں، اس میں اور حکمتیں بھی ہیں، اور مصلحتیں بھی ہیں۔ تخلیق کائنات میں جو مصلحتیں ہیں اور جو حکمتیں ہیں وہی جانتا ہے جس نے ان کو پیدا فرمایا ہے۔ ان میں ایک یہ بھی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کی ذات ایسی ہے کہ وہ مجبور نہیں ہے یہ اقتضاء رویہ اضطرار نہیں، یعنی یہ تقاضا ذات وصفاتِ باری کا کہ کوئی ہمیں جاننے پہچاننے والا بھی ہو، یہ تو ایک مجبوری بن گئی نا۔ اضطرار کہتے ہیں جو مجبوراً کام کیا جائے۔ فرمایا اللہ کی شان کو مجبوری زیبا نہیں ہے۔ وہ مجبور نہیں ہے بلکہ اپنے افعال اختیاریہ کے اظہار کا داعی ہے، بلکہ ہر کام جو وہ چاہتا ہے وہ کر سکتا ہے، وہ کسی کام کے لیے مجبور نہیں ہے۔ اس کے اختیار میں ہے جو وہ چاہے کرے اور اس کی حکمتیں بھی خود اللہ ہی جانتا ہے۔

علم کشفی کا معتبر ہونا:

قولہٗ تعالیٰ: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ (الحج:8)

ترجمہ: اور بعضے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں بدون واقفیت اور بدون دلیل اور بدون کسی روشن کتاب کے تکبر کرتے ہوئے جھگڑا کرتے ہیں۔

''روح المعانی میں ہے کہ علم سے مراد علمِ ضروری ہے اور ہدیٰ سے استدلال اور کتابِ منیر سے وحی اور علم ضروری یعنی غیر استدلالی عام ہے علم وجدانی وذوقی وکشفی والہامی کو بھی، سو اس قسم کے علم کا معتبر ہونا بھی ثابت ہوگیا۔ البتہ جب اس سے اقوی علم اس کے معارض ہوگا، اس وقت اس اقوی کو ترجیح ہوگی۔''

فرماتے ہیں اللہ کریم نے یہاں علمِ ضروری سے، ہدایت سے

استدلال، اور کتابِ منیر سے استدلال فرمایا ہے۔ تو استدلالی علم یعنی جو مستقل دلیل ہے وہ کتابِ منیر ہے۔ علمِ ضروری یعنی غیر استدلالی عام ہے اور اس میں غیر استدلالی علم یعنی کتاب کے علاوہ جو علم حاصل ہوتا ہے جس میں وجدانی، ذوقی، کشفی، الہامی یہ بھی علم کی اقسام ہیں کہ وہ من جانب اللہ براہ راست اللہ کے مقبول بندوں کو عطا ہوتی ہیں۔ ایک تو علم وہ ہے جو کتاب اللہ سے ظاہر ہوتا ہے اور کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ عام ہے، ہر ایک کے لیے ہے لیکن ایک عجیب بات ہے کہ اللہ کے مقرب بندے اسی کتاب میں سے وہ چیزیں سمجھ کر حاصل کرتے ہیں جو عام اہلِ علم کو سمجھ نہیں آتیں، تو وہ علم کئی قسم کا ہوتا ہے۔ الہامی بھی ہوتا ہے، القائی بھی ہوتا ہے، ذوقی بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے ذوقِ سلیم سے اخذ کر لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ الہام والقا فرما دیتے ہیں، وجدان ہو جاتا ہے۔ وجدان قلب کی ایک کیفیت ہے جو نگاہ، دماغ، سماعت، بصر کی محتاج نہیں ہوتی بلکہ براہ راست بات دل میں آ جاتی ہے من جانب اللہ۔ اس قسم کے علم کا معتبر ہونا ثابت ہو گیا۔

فرمایا اس آیت میں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ سارے علوم معتبر ہیں۔ یہ اس وقت تک معتبر ہیں جب ان سے کوئی قوی علم ان کے معارض نہ ہو، جیسے اللہ کا ارشاد اگر ان سے ٹکرائے پھر کسی کا ذوقِ وجدان، الہام جو ہے اسے سمجھنے میں غلطی لگی ہے، قرآن کی بات درست ہے۔ یا رسول ﷺ کا ارشادِ عالی کچھ اور ہو اور بندہ اپنے ذوق یا اپنے وجدان سے سمجھ کچھ اور رہا ہو، پھر اس کا ذوق اور وجدان غلط ہو گا اور حضور ﷺ کا ارشاد برحق ہو گا۔ تو فرمایا ان سب علوم کا، وجدان کا، ذوقی کا، الہامی القائی کا علمِ لدنی کا ثبوت اس آیت میں ہے، لیکن اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ اگر اس سے مضبوط علم، جیسے اللہ کا ارشاد، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد، تو فرمایا یہ سارے علوم شاخیں ہیں حضور اکرم ﷺ کے علوم کی۔ اس کے دائرے میں ہیں تو بہت اچھی بات ہے، اس سے باہر ہیں تو پھر ان کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی اور اُن پر عمل نہیں ہو گا۔

غیر عقلاء کے انقیاد کا اختیاری ہونا:

قولہ تعالیٰ: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ... الی قولہ... وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ (الحج:18)

ترجمہ: اے مخاطب کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سب عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں، اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی بھی۔

"اس آیت میں وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ فرمانا دلیل اس پر ہے کہ یہ سجدہ وانقیا وغیر عقلاء کا بھی اختیاری ہے کیونکہ اگر سجدہ تسخیر یہ مراد ہوتا تو وہ تو عام ہے، کثیر کی کیا تخصیص تھی؟"

فرماتے ہیں اللہ کریم نے تمام چیزوں کو گنا ہے کہ کیا تُو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سب سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، سورج چاند ستارے، پہاڑ درخت چوپائے اور بہت سے آدمی۔ اس بات سے حضرت تھانویؒ دلیل لیتے ہیں کہ یہ جو فرمایا گیا ہے کہ بہت سے انسان بھی سجدہ کرتے ہیں تو انسان تو اپنے اختیار سے سجدہ کرتا ہے اور جو نہیں کرتا اس سے مراد یہ ہے کہ بہت سے ایسے بھی ہیں جو سجدہ نہیں کرتے۔ تو اس کے ساتھ "بہت سے" کے ساتھ اگر تشبیہہ دی گئی درختوں، پہاڑوں، سورج، چاند، ستاروں، آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے، تو فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ساری مخلوق اپنے پیار سے سجدہ کرتی ہے۔ تو یہ اکثر لوگ جو سجدہ کرتے ہیں یہ اس پیار سے کرتے ہیں۔ ایک سجدہ ہوتا ہے تسخیر یہ۔ تسخیر یہ سے مراد یہ ہے کہ ہر چیز اللہ کی مسخر ہے اور وہ چاہیں نہ چاہیں بحکمِ الٰہی اُنہیں ماننا پڑتا ہے۔ تو فرمایا وہ مراد نہیں، اگر وہ مراد ہوتا تو وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۔۔۔ "اکثر لوگ" ساتھ نہ آتا۔ اکثر لوگ جو سجدہ کرتے ہیں وہ اپنی پسند سے، اپنے اختیار سے، اللہ کی محبت میں، اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں۔ تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ تمام اشیا جو آسمانوں میں ہیں یا وہ زمینوں میں ہیں، جاندار یا بے جان ہیں، سورج چاند ستارے ہیں، یا درخت پتھر ہیں ہر چیز اپنی پسند سے بھی اللہ کو سجدہ کرتی ہے، اپنی مرضی سے بھی کرتی ہے، مجبور ہو کر نہیں کرتی۔ مجبور تو ہر چیز ہے، مسخر تو ہر چیز ہے، ہر شے اُس کے دستِ قدرت میں ہے۔ تو اس کی حقیقت کو مراقبۂ عبودیت میں دیکھا جا سکتا

ہے وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ (الرحمٰن:6) یہ مراقبہ کرایا جاتا ہے۔ تو اللہ کریم اگر مشاہدہ عطا فرمائے تو ہر چیز، درخت شجر حجر سورج چاند ستارے دریا پہاڑ زمین آسمان، ہر چیز سر سجود نظر آتی ہے۔ یہ ایک کیفیت ایک لمحہ ہر چیز پر ہوتا ہے، وہ اپنے اختیار سے اللہ کریم کو سجدہ کرتے ہیں۔

طالب کی بعض خدمات شیخ پر ہونا:

قولہ تعالیٰ: وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ (الحج:26)

ترجمہ: اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے اور قیام و رکوع وسجود کرنے والوں کے واسطے پاک رکھنا۔

"اس سے معلوم ہوا کہ طالب کی بعض ایسی خدمتیں جو تربیت کے مناسب ہوں شیخ کے ذمہ بھی ہوتی ہیں۔"

جیسے ابراہیم علیہ السلام کو ارشاد ہوا کہ طواف اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے آپ نے میرا گھر بنایا ہے تو اسے پاک وصاف بھی رکھیں، آپ کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح فرماتے ہیں شیخ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اس کے پاس جو طالب آئے تو اس کا تزکیہ پوری محنت، پوری کوشش اور پوری توجہ سے کرے تاکہ اس میں سے کمزوریاں نکل جائیں اور وہ پاک صاف ہو جائے۔

احترام آثار المقربین:

قولہ تعالیٰ: وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (الحج:32)

ترجمہ: اور جو شخص دین خداوندی کی ان یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو ان کا یہ لحاظ رکھنا دل کے ساتھ کرنے سے ہوتا ہے۔

"یہ دو امر اس پر دال ہیں۔ ایک یہ کہ اصل محل تقویٰ کا قلب ہے۔ دوسرے یہ کہ معالم دین کی تعظیم (حد شرعی کے اندر) جس میں انبیاء واولیاء کے آثار داخل ہو گئے، مشروع ہے۔"

یہ ارشاد ہے فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔۔۔ فرماتے ہیں اس سے ایک بات ثابت ہوئی کہ تقویٰ کا اصل مقام قلب ہے کہ دل میں عظمتِ الٰہی جاگزیں ہو جائے، دل کا رشتہ ذاتِ باری سے اس طرح استوار ہو جائے کہ رشتے کے ٹوٹنے سے وہ دڑتا رہتا ہے۔ تقویٰ کا معنی عرف عام میں ڈر لکھ دیا جاتا ہے لیکن تنقیش نہیں ہوتی کہ یہ ڈر کون سا ہے؟ بے شمار قسم کے ڈر ہوتے ہیں۔ ڈر ایک ایسا لفظ ہے جس میں بے شمار قسم کی کیفیات آجاتی ہیں۔ ایک ڈر ہوتا ہے کہ کسی سے ایک رشتہ ایسا استوار ہو جائے کہ بندہ کام کرتے وقت، بات کرتے وقت یہ سوچے کہ کہیں میرا جس کے ساتھ تعلق ہے، دوست ہے احباب ہے، بھائی ہے، کہیں اس سے خفا تو نہیں ہو گا؟ یہ تعلق جب اللہ کریم سے ہو جائے تو بندہ بات کرتے وقت کام کرتے وقت سوچے کہ کہیں اللہ کریم اس سے ناراض تو نہیں ہوں گے؟ تو اسے تقویٰ کہتے ہیں۔ تو حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ "تقویٰ القلوب" سے یہ ظاہر ہے کہ تقویٰ کا مقام جو ہے وہ قلب ہے۔

دوسری یہ کہ معلم دین کی تعظیم حد شرعی کے اندر جس میں انبیاء و اولیاء کے آثار بھی داخل ہو گئے، مشروع ہے۔ دوسری چیز وہ فرماتے ہیں کہ دینی جو نشانات ہیں، دین کی طرف جو راہنمائی کرتے ہیں، جنہیں اللہ کریم نے شعائر اللہ کہا ہے، اُن کی تعظیم اچھی بات ہے اور اُن میں انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے آثار ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے تشریف رکھی کہیں آپ بیٹھے تھے، کہیں کوئی ایسی جگہ یہاں حضور ﷺ کا قدم مبارک پڑا تھا، آپ کے لباس مبارک کا کوئی حصہ، اسی طرح صحابہ کرام یا اولیاء کے نظام کی مستعمل چیزوں کی عزت کرنا شرعی حدود کے اندر، شریعت کے باہر نہیں کہ انہیں بت کی طرح پوجنا شروع کر دیا جائے۔ شریعت کے اندر رہتے ہوئے اُن کا احترام کرنا بھی اس آیہ مبارک سے ثابت ہے۔ مثلاً بندہ عمرے پر حج پر جاتا ہے تو ایک عجیب کیفیت یہ بھی ہوتی ہے کہ بیت اللہ شریف سامنے ہوتا ہے، تو پتا چلتا ہے یہی وہ پتھر ہیں جنہیں حضور ﷺ نے دیکھا، یا یہی وہ پتھر ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا تھا۔ اسی طرح منیٰ، عرفات، مکہ مکرمہ کے پہاڑ ہیں، وہاں کے مکان بدل گئے، بازار بدل گئے، فرش بن گئے۔ اسی طرح مدینہ منورہ تقریباً جو عہد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں

شہر ہوتا تھا جسے مدینۃ النبی کہتے تھے، آج کل وہ سارا علاقہ تقریباً مسجد نبوی میں آ گیا ہے، وہ ساری زمین بھی اس فرش کے نیچے آ گئی اور وہ سارا ایریا بھی مسجد میں آ گیا۔ لیکن اس کے باوجود جبل سلع ہے، احد ہے، اردگرد کی پہاڑیاں ہیں، اردگرد کی زمین ہے، مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک سڑک ہے طریق سلطانی، جس پر حضور ﷺ سفر فرماتے تھے۔ یہ وہ راستہ ہے جو بدر سے ہو کر گزرتا ہے۔ آج کل متروک ہو چکا ہے بلکہ انہوں نے روک دیا ہوا ہے، ادھر سے جانے نہیں دیتے۔ اس راستے سے الگ ایک بڑی شاہراہ بنا دی گئی ہے لیکن طریق سلطانی کی اپنی برکت ہے۔ یہاں کی اپنی کیفیات ہیں۔ شاعر نے کہا تھا:

سیاہی آنکھوں کی لے کر میں تجھ کو نامہ لکھتا ہوں
کہ جب نامے کو تُو دیکھے میری آنکھیں تجھے دیکھیں

تو یہ ایک سعادت بھی ہے کہ اُن چیزوں کو دیکھنا جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کرم پڑی تھی اور وہ چیزیں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئی تھیں تو یہ ساری چیزیں اس میں آ جاتی ہیں۔

اختلاف مسالک مع اتحادِ مقصود:

قولہٗ تعالیٰ: وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ (الحج:34)

ترجمہ: اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کرنا مقرر کیا تھا تا کہ وہ ان مخصوص چوپاؤں پر اللہ کا نام لیں۔

"مَنْسَكًا کی تفسیر ابن عرفہ نے کی ہے اَئِ مَذْهَبًا اور اس کے عموم میں اہل باطن کے مسالک کا باوجود اتحاد مقصود کے مختلف ہونا بھی داخل ہو گیا اور لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ میں اس اتحاد مقصود کی طرف اشارہ ہو گیا۔"

فرماتے ہیں ابن عرفہ نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ مَذْهَبًا مِّنْ جَمَاعَةٍ یعنی مذہب الگ الگ تھے، مذاہب سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک، اُن میں عقیدہ ایک تھا لیکن احکام مختلف تھے اور وہ بدلتے رہے۔ وقت کے ساتھ، حالات کے ساتھ جوں جوں انسانی ترقی ہوئی، جوں جوں نئی کتابیں آئیں، کچھ پچھلے احکام منسوخ ہوئے، نئے آ گئے۔ لیکن اس سب کے باوجود قربانی کے جانوروں پر اللہ کا نام لینا اور اللہ کے نام پر قربان کرنا سب میں مشترک رہا۔ تو اس میں ابن عرفہ نے یہ تفسیر کی ہے کہ مَذْهَبًا مِّنْ جَمَاعَةٍ۔ اور اس کے عموم میں اہلِ باطن کے مسالک کے، باوجود اتحادِ مقصود کے مختلف ہونا بھی داخل ہو گیا یعنی اہل اللہ کے جو طریقے ہیں ان کا مقصد تو ایک ہے، قربِ الٰہی رضائے الٰہی، لیکن طریقے مختلف مختلف بھی ہیں۔ کوئی ذکرِ قلبی کرتا ہے، کوئی ذکرِ لسانی کراتا ہے۔ کوئی ذکرِ جہر سے شروع کرتا ہے، پھر ذکرِ لسانی پر لے آتا ہے، پھر لسانی سے قلبی پر لے آتا ہے۔ تو طریقہ ہائے اذکار بہت ہیں۔ مختلف سلاسل کے مختلف اہل اللہ کے، یہ مختلف ہونے کے باوجود مقصد سب کا رضائے باری ہے۔ تو مذہب سب کا ایک ہی ہے۔ راستے اپنے اپنے ہیں۔

تو فرماتے ہیں وہ بھی اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ ہر مذہب اور ہر مسلک کو اللہ نے قربانی کا حکم دیا۔ اور یہ حکم بھی دیا کہ قربانی کے جانور پر اللہ ہی کا نام لیا جائے اور یہ بعض لوگوں کو وہم ہو جاتا ہے کہ بزرگوں میں طریقۂ ذکر میں اختلاف ہے کہ کوئی لسانی کرواتے ہیں اور کوئی ذکرِ جہر اور فلاں کہتے ہیں پہلے لا الہ الا اللہ پڑھو، پھر اللہ اللہ پر آ جاؤ۔ فرمایا یہ طریقے الگ الگ ہو سکتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ شرعی حدود کے اندر ہوں، چونکہ مطلق ذکر جو ہے وہ فرض ہے اس میں مطلق قید نہیں ہے۔ جس طرح نماز فرض ہے۔ اس میں وقت کی قید بھی ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (النساء:103) جب تک وقت نہیں آئے گا ظہر فرض نہیں ہوگی۔ اسی طرح کپڑے پاک ہونا، قبلہ رو ہونا، باوضو ہونا، یہ نماز کی شرائط ہیں اور یہ پابندیاں لگی ہوئی ہیں لیکن ذکر کے سامنے کوئی پابندی نہیں، مطلق ذکرِ الٰہی فرضِ عین ہے۔ ایمان لانا بھی ذکر کا ایک درجہ ہے۔ نیک کام کرنا عملی ذکر ہے۔

زبانی اللہ اللہ کرنا، تلاوت کرنا تسبیحات کا پڑھنا یہ بھی ذکر ہے۔ اسی طرح سے ذکر کے سارے طریقے اس میں آ جاتے ہیں۔ ہاں کوئی ایسا طریقہ نہ ہو جس میں شریعت کو اعتراض ہے۔

اکرم التفاسیر

سورۃ لقمان آیات نمبر 31 تا 34

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْکَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰہِ لِیُرِیَکُمْ مِّنْ
(اے مخاطب!) کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتی (سمندر کی سواری) سمندر میں چلتی ہے تاکہ تم کو اپنی
اٰیٰتِہٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ ۝ وَاِذَا
نشانیاں دکھائے۔ اس میں ایسے شخص کے لیے دلائل ہیں جو صبر (اور) شکر کرنے والا ہو۔ اور جب
غَشِیَہُمْ مَّوْجٌ کَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ۚ
ان پر (سمندر کی) لہریں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ خالص اعتقاد کر کے صرف اللہ کو پکارتے ہیں۔
فَلَمَّا نَجّٰہُمْ اِلَی الْبَرِّ فَمِنْہُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا یَجْحَدُ
پھر جب ان کو بچا کر خشکی کی طرف لے آتے ہیں تو کچھ لوگ ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں
بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا کُلُّ خَتَّارٍ کَفُوْرٍ ۝ یٰٓاَیُّہَا
(اور) ہماری آیتوں کا (ضد سے) انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہیں۔ اے لوگو!
النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ
اپنے پروردگار سے ڈرو اور اُس دن کا خوف کرو کہ جس دن
وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِہٖ ز وَلَا مَوْلُوْدٌ ہُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِہٖ
باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام نہ آئے اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام
شَیْئًا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ
آ سکے۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے پس تم کو دنیا کی زندگی دھوکے میں
الدُّنْیَا وقفۃ وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ ۝ اِنَّ اللّٰہَ
نہ ڈال دے اور فریب دینے والا (شیطان) تمہیں اللہ کے بارے کسی قسم کا فریب دے۔ بے شک
عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ ۚ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ ۚ وَیَعْلَمُ مَا
قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی مینہ برساتے ہیں اور جانتے ہیں جو رحموں میں ہے
فِی الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ
اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل
غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ
کرے گا۔ اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔
اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝
بے شک اللہ (ان باتوں کے) جاننے والے باخبر ہیں۔

فرمایا: تم نے کبھی غور کیا ہے کہ یہ بے پناہ سمندروں میں، ایک اندازے کے مطابق، زمین میں ایک چوتھائی خشکی ہے اور تین چوتھائی سمندر ہے اور میلوں کے حساب سے گہرے سمندر ہیں۔ اللہ کریم نے انسانوں کیلئے انہیں بھی مسخر کر دیا، جب چاہتے ہیں جہاں سے چاہتے ہیں عبور کر لیتے ہیں۔ جب چاہتے ہیں اُن میں غوطہ زن ہوتے ہیں، جب چاہتے ہیں اُن میں سے بے شمار نعمتیں جواہر، موتی، دھاتیں بے شمار چیزیں نکالتے ہیں۔ بے شمار جگہوں پر سمندر کا سینہ چیر کر تیل نکال رہے ہیں۔ کتنی نعمتوں سے متمتع ہو رہے ہیں اور اس سب کے باوجود مجبور و بے بس ہیں۔ بڑے بڑے جہاز، بڑی بڑی کشتیاں، بڑے بڑے بحری جہاز بناتے ہیں۔

ایک بڑا مشہور بحری جہاز Titanic بنایا گیا تھا، بہت بڑا جہاز تھا، اندر بڑے محل اور بڑی بیٹھنے کی جگہیں اور کھانے کی جگہیں، اندر پورا محل بنا ہوا تھا۔ جو لوگ فلمیں دیکھتے ہیں انہوں نے تو اُس کی

فلم بھی دیکھی ہوگی Titanic۔ اُس میں دکھاتے ہیں جب اُسے سمندر میں اُتارا گیا تو کہا یہ گیا کہ اب اگر خدا بھی چاہے تو اسے ڈبو نہیں سکتا۔ وہ ایسا بنایا گیا تھا کہ اُس کی باہر کی سطح پر اس طرح کی کوئی ربڑ کی چیزیں لگائی گئیں تھیں کہ اُس پر بم بھی برسائیں جائیں، گولے بھی لگیں تو وہ واپس آ کر پھٹیں گے، اُس کو نقصان نہیں پہنچائیں گے، اگر جنگ میں بھی آ جائے تو، حالانکہ وہ سواری کا جہاز تھا۔ وہ ایسا عجیب و غریب تھا اُس کے تیرنے کا انداز اور مشینری بھی تو سب کچھ ایسا تھا۔ جب اُسے سمندر میں اُتارا گیا تو یہ جملہ ساتھ کہا گیا کہ اب اگر اللہ بھی چاہے تو اسے ڈبو نہیں سکتا۔ وہ شاید شام کو بندرگاہ سے نکلا اور اُسی رات اُس سے برفانی تودہ ٹکرایا اور وہ دو ٹکڑے ہو کر غرق ہو گیا۔ بے شمار لوگ اُس میں غرق ہو کر مرے اور کچھ تیر کر، کچھ تختوں پر تیر کر بچ گئے اور کچھ بچا لیے گئے، بیشتر لوگ غرق ہو گئے۔ سردیوں کا موسم تھا، ٹھنڈا پانی تھا، سمندر کی تہہ میں چلے گئے۔

باوجود ان دعوؤں کے تم نے کبھی غور نہیں کیا کہ اللہ کریم تمہارے جہازوں کو محفوظ رکھتے ہیں۔ تم سمندروں کو چیر جاتے ہو، تم فضاؤں میں تیر جاتے ہو، اور پھر اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ (31) سمندروں پر تمہارے جو بڑے بڑے جہاز تیرتے پھرتے ہیں، یہ اللہ کی نعمت ہے۔ اُس نے پانی کو لکڑی کو اُٹھانے کی طاقت عطا کی۔ وہ ڈبوتا نہیں، وہ اُٹھاتا ہے۔ تم لکڑی کا جہاز بناتے ہو تو اُس کے ساتھ ٹنوں کے حساب سے لوہا بھی لگ جاتا ہے، فرشوں کی صورت میں، مختلف پرزوں کی صورت میں، وہ بھی تیرتا رہتا ہے۔ لکڑی اور لوہے کا ایک خاص تناسب ہوتا ہے، وہ لوہا بھی تیرتا رہتا ہے، پھر اُس میں بہت سے انسان سوار ہو جاتے ہیں، بہت سا سامان لاد لیتے ہیں۔ یہ اللہ کے انعامات میں سے ایک انعام ہے۔ وہ مسبب الاسباب ہے۔ اسباب بھی وہ پیدا فرماتا ہے اور اسباب میں تاثیر بھی وہ رکھتا ہے۔ نتائج بھی اُس کے دستِ قدرت میں ہیں۔ اُس نے پانی کو سبب بنا دیا، جہاز کو اُٹھائے پھرتا ہے۔ جہاز کو سبب بنا دیا تمہارے اُٹھائے جانے کا۔ اور تم سمندروں کو طے کر لیتے ہو اور سمندروں سے خزانے نکال رہے ہو، تیل نکال رہے ہو، مچھلیاں پکڑ رہے ہو، بے شمار نعمتیں حاصل کر رہے ہو تو اس لیے کہ اللہ نے پانی کو یہ قدرت دی ہے۔ لکڑی کو تیرنا سکھایا ہے کہ یہ اللہ کی نعمتیں ہیں اور تم ان پر غور کر سکو۔ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ (31)۔۔۔ وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھانا چاہتا ہے کہ کیسے کیسے احسانات ہیں تم پر اور ایک انسان کو دنیا میں جو زندگی دی ہے، اُسے آرام سے بسر کرنے کے لیے اُس نے کتنے اسباب عطا کر دیے ہیں کتنی نعمتیں عطا کر دی ہیں۔

فلاسفہ کا ایک اصول ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی بندہ بیٹھ کر یہ سوچے کہ کوئی دنیا میں بندہ نہیں، میں اکیلا ہوں تو اُس ایک کے لیے بھی یہ ساری کارگہہ حیات چلتی رہے گی۔ اسی طرح ایک ایک بندے کے لیے یہ ساری کارگہہ حیات چل رہی ہے۔ سورج طلوع ہوتا ہے، رات آتی ہے، دن آتا ہے، بارشیں برستی ہیں، کھیتیاں اُگتی ہیں، غذائیں بنتی ہیں، دوائیں بنتی ہیں، ہوائیں چلتی ہیں۔ یہ ساری کارگہہ حیات ایک ایک فرد کے لیے چل رہی ہے۔ فرمایا: اللہ تمہیں یہ نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم ان پر غور کر سکو، لیکن ان سب کو دیکھتے ہوئے صرف وہ لوگ غور کرتے ہیں جن میں دو اوصاف ہوں۔ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (31)... صرف دو قسم کے لوگ: پہلا وہ جو صبر کر سکتا ہو۔ انسان جلد باز ہے۔

کھانے دو ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ جتنی غذا ہے انسان کی اس کو آپ دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ نمکین اور میٹھا۔ اللہ نے بنی اسرائیل کے لئے نمکین اور میٹھے دونوں طرح کے کھانوں کا ایسا انتظام کر دیا کہ رات دن، صبح و شام من جانب اللہ انہیں عطا ہوتے رہتے تھے۔ کچھ محنت نہ کرنی پڑتی، صبح شام تازہ کھانے، نمکین بھی میٹھے بھی، من و سلویٰ، نمکین بھی اور میٹھے بھی۔ ہمارے ہاں اکثر تراجم اور تشریحات میں یہ لکھا جاتا ہے۔ "من" ایک قسم کا حلوہ تھا اور "سلویٰ" خاص بٹیریں آ جاتی تھیں، اُنہیں بھونتے تھے لیکن یہ

تشریحات ہیں۔ سب انسانی سوچ وفکر کے انداز ہیں۔ بنیادی طور پر کھانوں کی دو قسمیں بتائی گئیں کہ انہیں نمکین کھانے بھی دیئے جاتے تھے اور میٹھے بھی۔ کھانے کی جتنی چیزیں ہیں نعمتیں ہیں ان کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ میٹھا ہوگا یا نمکین ہوگا۔ کوئی کھانا کسی تیسری قسم کا نہیں ہے۔ انہیں رات دن مفت کھانے مل جاتے تھے تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی: يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ (البقرہ:61)... اپنے پروردگار سے کہیے جو زمین سے کھیتیاں اُگتی ہیں ہمیں وہ دے، ہم دال کھائیں، پیاز کھائیں، تھوم کھائیں، فلاں چیز کھائیں، کھیتیاں اُگائیں، ہل چلائیں۔ تو انہوں نے کہا تم عجیب قوم ہو، بہترین کو چھوڑ کر کمتر کی طرف جارہے ہو یعنی انسان ایسا عجیب ہے کہ جب وہی چیزیں بنی بنائی مل رہی تھیں تو اپنے لیے مشقت طلب کر لی۔ تو جو اس طرح کے مزاج کے ہیں وہ شکر نہیں کریں گے۔ شکر وہ کریں گے جو صبر کرنے والے ہیں۔ صبر ہوتا ہے اپنے آپ کو ایک جگہ روک لینا، کوئی فرد بشر، کوئی بادشاہ ہو یا فقیر ہو، صحت مند ہو یا بیمار ہو، ہر شخص پر اللہ کی اتنی نعمتیں ہیں جن سے وہ فائدہ اُٹھا رہا ہے جو گنی نہیں جاسکتیں۔ تو صرف اپنی بیماری، غریبی یا کمزوری کو نہ دیکھے بلکہ یہ بھی دیکھے اس غریبی میں بھی کتنی نعمتیں اللہ اُسے دے رہا ہے تو اُسے صبر آجائے گا۔ اُس میں حوصلہ آجائے گا، اللہ کی اطاعت پہ جم جائے گا۔ صبر ہوتا ہے رُک جانا، نافرمانی سے باز آجانا، جب صبر کرے گا تو اِس احساس سے کرے گا کہ اس بیماری، اس غربت کے باوجود، اس دُکھ، اس تکلیف کے باوجود میں گن نہیں سکتا کہ کتنی نعمتیں مجھ پر ہر لحہ نچھاور ہو رہی ہیں تو جذبۂ شکر پیدا ہوگا، جب صبر کرے گا۔

ہمارے ہاں صبر کی بہت زیادہ کمی ہے۔ آپ کسی سے پوچھیں، ہر بندہ اللہ کریم سے ناراض ہی پھرتا ہے، شکایتیں لیے پھرتا ہے۔ جی میرا وہ کام بھی نہیں ہوا، میرا یہ بھی نہیں ہوا، میرا فلاں رہ گیا، میرے کاروبار میں یہ ہوگیا، میری صحت ویسی نہیں رہی، میرے بچے کا وہ ہوگیا، میری بیوی کا یہ ہوگیا۔ جو نہیں ہوا ہر ایک نے گنا ہوا ہے لیکن جو ہو رہا ہے وہ کسی کو یاد ہی نہیں کہ کتنی نعمتیں ایک لمحے میں تم استعمال کرتے ہو۔ تمہارے بدن کے دس کھرب سیل ہیں، دس کھرب سیل کی آبادی ہے تمہاری اس کھال اور گوشت میں، اُنہیں کون پال رہا ہے؟ کون اُنہیں زندگی دے رہا ہے؟ اُن کی غذا کا، اُن کی حیات کا متبادل کون پیدا کر رہا ہے؟ کتنی سورج کی روشنی تم دن کو استعمال کرتے ہو، رات کو کتنی نیند لے لیتے ہو، کتنی ہوائیں استعمال کرتے ہو، کتنا پانی تمہاری خاطر برستا ہے، کتنی فصل کتنی کھیتیاں تمہارے لیے اُگتی ہیں۔ یہ نہیں یاد کرتے، جو نہیں ہے اُسے یاد کرتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں۔

فرمایا: تو ایسے لوگوں کو تو اللہ کی عظمت کی دلیلیں نظر نہیں آتیں۔ ہاں! جو صبر کرے اللہ کی نافرمانی سے رُک جائے یہ سوچ کر کہ وہ بہت بڑا مہربان ہے، مالک ہے، بے پناہ نعمتیں ہر لحہ مجھے عطا کر رہا ہے، اُسے شکر کی توفیق ہوتی ہے، اور جو صبر اور شکر کرتا ہے اُسے پھر کائنات میں عظمتِ الٰہی کی نشانیاں اور دلائل سمجھ آتے ہیں۔

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (32)... سمندر میں جو طوفان اُٹھتے ہیں، اتنی اتنی موج اُٹھتی ہے کہ وہ جہازوں کے اوپر سے گزر جاتی ہے اور دُور سے جب آرہی ہوتی ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے گھٹا آرہی ہے۔ چند موجیں سونامی میں زمین پر آئی تھیں تو میلوں تک مکانوں کو، شہروں کو، گھروں کو بہا کر لے گئیں تو اندر سمندر میں تو یہ روزمرہ کا معمول ہے۔ یہ تو کنارے پر آگئیں ورنہ کنارے پر آنے تک یہ موجیں ختم ہو جاتی ہیں اور جو ختم نہ ہوئیں تو کس طرح خس و خاشاک کی طرح کئی منزل عمارتوں کو بھی اُٹھا کر لے گئیں۔ تو فرمایا، جب وہ موجیں اُٹھتی ہیں اس طرح اُٹھتی ہیں جیسے گھٹا آرہی ہو۔ تو خالص اللہ کو پکارتے ہیں، پھر کوئی دوسرے کو ساتھ نہیں ملاتے، پھر خالص اللہ وحدہٗ لاشریک کو پکارتے ہیں۔ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ (32)... پھر اللہ جب اُن کو اُس سے نجات دے دیتا ہے، بچا لیتا ہے اور خشکی پر لے آتا ہے اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ (32)

۔۔۔تو کچھ تو اُن میں لوگ ہوتے ہیں جو اعتدال پر رہتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے ان طوفانوں سے بچ کر ہم خشکی پر آ گئے، لیکن وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ (32)... لیکن کچھ لوگ جو بدعہد ہوتے ہیں اور ناشکرے ہوتے ہیں پھر اللہ کی آیات اور عظمت کا انکار کرتے ہیں۔

کفرِ یہودی اسے کہتے ہیں کہ ایک خاص ضد پر اڑ جانا، اندر سے جانتے ہوتے ہیں کہ سچ کیا ہے لیکن مانتے نہیں۔ ایک دفعہ کوئی شخص ابوجہل سے ملنے آیا تو وہ بڑا پریشان بیٹھا تھا، تو اُس نے کہا آپ ابوالحکم ہیں۔ اس کا لقب ابوالحکم تھا، وادی میں اُس کا حکم چلتا تھا۔ یہ ابوجہل کا نام اُس کو نبی کریم ﷺ نے عطا فرمایا کہ تُو سب سے بڑا جاہل ہے۔ تو اُس نے کہا ساری وادی پہ تیرا حکم چلتا ہے، سینکڑوں بندے تیرے کہنے پہ مارے گئے، سینکڑوں کو تُو نے چھوڑ دیا۔ ایک بندے کے کہنے پہ تُو اتنا پریشان بیٹھا ہے۔ ایک بندہ ہی ہے نا، جہاں سینکڑوں بندے تُو نے قتل کر دیئے وہاں اُس ایک بندے کو بھی قتل کر دو، قتل کرا دو، بات ختم ہو جائے گی۔ تو وہ کہنے لگا کہ تم کیا سمجھتے ہو کہ ہم نے کسر چھوڑی ہے، مجبوری یہ ہے کہ یہ واقعی اللہ کا نبی ہے ہم اس کا بگاڑ کچھ نہیں سکتے، اللہ اس کے ساتھ ہے، یہ اللہ کا رسول ہے۔ ہم نے بڑی کوشش کر لی، ہم سے بگڑتا کچھ نہیں ہے۔ اُس نے کہا، کمال ہے، تم جانتے ہو اللہ کا رسول ہے اور پھر اُس سے لڑ رہے ہو۔ اُس نے کہا، اگر مان لیں تو ہمارا تو وجود ہی کوئی نہیں رہے گا، ہماری تو حیثیت ہی ختم ہو جائے گی۔ یعنی جانتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں، مانتا اس لیے نہیں کہ پھر میرا کیا بنے گا، پھر میں کہاں پر ہوں گا، میں بڑا معتبر، بڑا حاکم بنا پھرتا ہوں، پھر تو بات رسول اللہ ﷺ کی مانی جائے گی، میری حیثیت تو ختم ہو جائے گی۔ اسے کہتے ہیں کفرِ یہودی، ضد سے کفر کرنا۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کچھ لوگوں کا مزاج ہوتا ہے۔ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ (32)... وہ کفرِ یہودی کرتے ہیں، ضد کرتے ہیں، حق کو مانتے نہیں۔ اندر سے جانتے ہیں کہ بات حق ہے لیکن کہتے ہیں کہ میں نہیں مانوں گا، اور یہ لوگ بدعہد اور ناشکرے ہوتے ہیں۔ یہ کفرِ یہودی اُن لوگوں میں پیدا ہوتا ہے جو بدعہد ہوتے ہیں، وعدے اور کرتے ہیں، کام اور کرتے ہیں، معاہدے اور کرتے ہیں آگے نتیجہ کچھ اور نکلتا ہے۔ اب تو بدعہدی کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی جاتی، ہمارے حکمران بھی کہہ دیتے ہیں کہ وعدہ کوئی قرآن وحدیث تو نہیں ہے۔ یہ ہوتی ہے بدعہدی کہ جب آپ کسی سے وعدہ کرتے ہیں تو اپنی نیکی بدی، کمی بیشی، نفع نقصان سوچ کر کریں۔ یہ بھی سوچ لیں میں اس پر عمل کر سکوں گا یا نہیں؟ کر دیا تو پھر کر دیا، تو پورا کریں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی عہد خلافِ شریعت کرنا نہیں چاہیے۔ اگر آپ کریں گے تو وہ عہد نہیں ہے، باطل ہے، وہ کوئی معاہدہ نہیں۔ شرعی حدود کے اندر معاہدہ کرتے ہیں تو اُسے نبھانا بھی فرض بن جاتا ہے۔ تو فرمایا: جو بدعہد ہوتے ہیں اور ناشکرے ہوتے ہیں یعنی مزاجاً کسی کا شکریہ ادا کرنے کا اُن کا مزاج نہیں ہوتا اور عہد کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔

ایک زمانہ تھا، ہم حکایات میں پڑھتے تھے، کہانیوں میں پڑھتے ہیں، تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ بادشاہ جو بات کہہ دیتا تھا ہمیشہ پکی اور سچی ہوتی تھی۔ اور بزرگوں میں ایک کہاوت تھی کہ بادشاہ میں ستر اولیاء کی طاقت ہوتی ہے۔ اب سب سے زیادہ جھوٹ حکمران بولتے ہیں اور اُسے بڑی دانشمندی سمجھتے ہیں کہ ہم نے جھوٹ بول کر فلاں کو ٹرخا دیا، معاہدہ کیا اُس پر دستخط کیے جب اُس پر عمل کرنے کی باری آئی تو کہا وعدہ کوئی قرآن و حدیث تو نہیں ہے۔ قرآن وحدیث پر بڑا ہم عمل کر رہے ہو۔ شکلیں تمہاری یہودیوں اور عیسائیوں جیسی ہیں، رواج اور رسومات تمہارے ہندوؤں کے اختیار کیے ہوئے ہیں، اللہ کا نام لینے سے تمہیں شرم آتی ہے تو کہاں وعدے پورے کرو گے۔ تو فرمایا، یہ جو بدعہد لوگ ہوتے ہیں اور ناشکرے تو یہ پھر انکار کرتے ہیں اللہ کی آیات کا، اور پرواہ نہیں کرتے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ (33) ...اے لوگو! اے اولادِ آدم اتَّقُوْا رَبَّكُمْ (33)...اپنے پیدا کرنے والے، پالنے والے، اتنی نعمتیں

دینے والے سے اپنے تعلقات خراب نہ کرو۔ النّاس بہت وسیع ہے۔ ساری انسانیت اس میں آجاتی ہے، جو گزر چکی ہے جو قیامت تک آئے گی۔ اب جب نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے تو کتنی آبادی دنیا میں تھی؟ چودہ صدیوں میں کتنی آبادی گزر چکی، آگے کب تک اس عالم نے رہنا ہے اُس میں کتنی مزید آئے گی، ہم ازکم اس خطاب میں یہ سارے تو آجاتے ہیں کہ اپنے پیدا کرنے والے، اپنے پالنے والے، ساری نعمتیں دینے والے کے ساتھ اپنے تعلقات نہ بگاڑو۔ اتَّقُوْا... تقویٰ اختیار کرو، ڈرو اللہ سے۔ مجبوری ہے اُردو کی کہ تقویٰ کا ترجمہ "ڈرو" ہی کر دیتے ہیں۔ لیکن اتَّقُوْا... کا اصل ترجمہ یہ ہے کہ تعلقات نہ بگاڑے جائیں۔ رشتہ رکھا جائے اور اچھا رکھا جائے۔ چونکہ تقویٰ وہ ڈر ہے جب اللہ سے کسی کا تعلق ہو تو کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالیں، کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے اس تعلق میں دراڑ آنے کا خطرہ ہو، اللہ کی ناراضگی کا خطرہ ہو، اسے تقویٰ کہتے ہیں۔

تو فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ (33) اپنے پیدا کرنے والے، پالنے والے سے تعلقات خراب نہ کرو۔ کتنی خوبصورت بات ہے اور کیا عظمت ہے اُس ایک ہستی کی جس کے طفیل یہ سارے 'النّاس' اللہ سے تعلق قائم کر سکتے ہوں ورنہ نہیں، یعنی عظمتِ رسالت اور مقامِ آقائے نامدار ﷺ کو دیکھو کہ بعثتِ عالی سے لے کر قیامت تک جہاں کہیں، جو کوئی ہے وہ اللہ سے تعلق اُسی راستے سے بنا سکتا ہے حضور اکرم ﷺ جس کی طرف بلا رہے ہیں۔ ایک ذات ہے آقائے نامدار ﷺ کی کہ ساری کائنات کیلئے ہے۔ تو فرمایا: دیکھو اُس نے تمہیں پیدا کیا، کہاں کہاں سے تمہارے لیے کہیں دواؤں میں، کہیں غذاؤں میں، کسی اور طریقے سے، دودھ میں، گوشت میں، تمہارے اجزا کہاں کہاں سے جمع کر کے تمہیں صلبِ پدر میں پہنچائے، شکمِ مادر میں تمہیں غذائیں دیں۔ زندگی بھر تمہارے لیے اہتمام کر رہا ہے، بے پناہ نعمتیں تم استعمال کر رہے ہو، تو کم از کم اُس سے اپنا تعلق تو درست رکھو اُس کی ناراضی تو مول نہ لو۔

پھر یہ شکر اور احسان کے طور پر تھا کہ تم اُس کا شکر ادا کرتے کہ وہ تمہیں اتنی نعمتیں دے رہا ہے لیکن ایک بات اور بھی ہے، کتنی نعمتیں عمر بھر استعمال کیں، آگے ایک دن آرہا ہے جب اُن کا حساب ہوگا یعنی یہ نہیں کہ تم شکر ادا نہیں کرتے، زندگی ختم ہو جائے گی، کھیل ختم ہو جائے گا، جس نے شکر ادا کیا اُس کا بھی ختم ہو جائے گا، جس نے نہیں کیا اُس کا بھی، ایسا نہیں ہوگا۔ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا (33)... ایک دن آرہا ہے، جس دن اس نظام کی بساط لپیٹ دی جائے گی تو ایک ایک نعمت کا حساب ہوگا۔ یہ جو تم آکسیجن استعمال کر رہے ہو، اس کے ایک ایک سانس کے بارے پوچھا جائے گا کہ اس سانس میں تُو نے اللہ کا شکر کیا؟ یہ جو پانی پی رہے ہو نعمتیں کھا رہے ہو، جس ہوا میں سانس لے رہے ہو، سورج کی تم روشنی استعمال کر رہے ہو، چاند ستارے، کائنات کی ہر شے استعمال کر رہے ہو۔ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (البقرہ:29) زُوئے زمین میں جو کچھ ہے تمہاری خدمت پہ لگا ہے۔ یہ سب استعمال کر رہے ہیں تو اس کی قیمت کیا ہے؟ صرف یہ احساس کہ یہ میرے اللہ نے مجھے دی ہیں مجھے اُس کا شکر ادا کرنا ہے۔ اُس کی اطاعت کروں گا، نافرمانی نہیں کروں گا۔ اگر یہ بھی نہیں کر رہے تو اُس دن سے ڈرو کہ دنیا میں تو حمایت یہ ہوتی ہے کہ باپ بیٹے پہ قربان ہو جاتا ہے، یا بیٹا باپ کیلئے جان بھی دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ تو فرمایا: اُس دن نہ باپ بیٹے کو پوچھے گا، نہ بیٹا باپ کو۔ یہ محبتِ دنیا، دنیا تک ہے۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔

اب تو دنیا سے بھی محبت اُٹھتی جا رہی ہے۔ اب لوگ والد کو بے وقوف اور پاگل کہتے ہیں کہ بڈھا بھی سر کھا گیا چپ نہیں کرتا۔ وہ دن بھول جاتے ہیں جب ہم بچے ہوتے تھے تو بزرگوں نے کس شفقت سے پالا، جب ہماری باری آئی ہے تو ہم کہتے ہیں پاگل ہو گئے۔ لیکن اُس دن قیامت کو کوئی کسی کو نہیں پوچھے گا۔ اپنی جان بچے گی تو کسی کو پوچھ پائے گا۔ لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ (33)... کوئی باپ کسی بیٹے

کے کام نہیں آئے گا۔ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا (33) ... نہ بیٹا باپ کے کسی کام آسکتا ہے۔ صرف یہ نہیں کہ تم پر بہت احسانات ہیں تم اللہ کا شکر ادا کرو، تمہارے آگے امتحان اور بھی ہیں پوچھا بھی جائے گا اور جو اللہ کی اطاعت نہیں کرتے، جن کا اللہ سے تعلق نہیں پھر اُن کا والدین سے یا بزرگوں سے یا بھائیوں سے یا دوسروں سے کیا تعلق؟ ہاں جو اللہ کا شکر ادا کرنے والے لوگ ہیں، جن میں نور ایمان ہوگا جو اللہ کے بندے ہوں گے، اُن کے رشتے وہاں بھی کام آئیں گے۔ باپ بیٹے ماں، بہن بھائی، بیوی اولاد ایک دوسرے کی سفارش بھی کریں گے۔ اللہ کی اجازت سے ایک دوسرے کا حال بھی پوچھیں گے۔ جب جس کا تعلق اللہ سے نہیں ہوگا پھر اُس کا کسی سے بھی نہیں ہوگا۔ پھر وہ تباہ گیا اور کسی غلط فہمی میں نہ رہو۔

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (33) یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اس غلط فہمی میں نہ رہو کہ پتا نہیں کیا ہوگا؟ جو ہوگا وہ قرآن نے بتا دیا، نبی ﷺ نے ارشاد فرما دیا۔ ایک ایک لفظ سمجھا دیا، بتا دیا، اور ایسا ہی ہوگا۔ یہ جو ایک عام رواج ہے نا کہ جی دیکھیں گے کیا ہوگا۔ یہ غلط ہے، یہ کلمہ کفر ہے، ویسا ہی ہوگا جیسا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ویسا ہی ہوگا جیسا اللہ کا قرآن کہہ رہا ہے: اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا (33) یہ دنیا کی چند روزہ فرصت جو تمہیں ملی ہے تمہیں کسی غلط فہمی میں نہ ڈال دے۔ ہر بندے میں مَیں آ گئی، کوئی میں نہیں رہے گی، سب تباہ ہو جائے گا۔ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ (33) اور نفس اور شیطان تمہیں اللہ کے مقابلے میں کوئی دھوکا نہ دیں۔ اللہ کا کلام تمہارے پاس ہے، اللہ تم سے خطاب فرما رہا ہے، اللہ کا رسول ﷺ وہ خطاب تم تک پہنچا رہا ہے۔

وحی دو قسم کی ہے: وحی متلو اُس وحی کو کہتے ہیں جس کی ہم تلاوت کرتے ہیں۔ یہ قرآن کریم کے تیس سپارے وحی متلو ہیں۔ وحی متلو میں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں معانی بھی اللہ کی طرف سے ہیں، الفاظ بھی اللہ کے ہیں۔ دوسری وحی ہوتی ہے وحی غیر متلو، سارا ذخیرۂ حدیث پاک، وحی الٰہی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے وہ فرمایا جو اللہ کریم نے فرمانے کا حکم دیا۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم:3-4) اپنی خواہش پر حضور ﷺ کچھ بھی نہیں فرماتے۔ وہ فرماتے ہیں جو اللہ کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے۔ لیکن وحی غیر متلو میں مفاہیم اللہ کی طرف سے آتے ہیں، الفاظ نبی کے ہوتے ہیں۔ حدیث میں الفاظ آقائے نامدار ﷺ کے ہیں، مفہوم اللہ کی طرف سے۔ اور قرآن سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئیں وہ ساری بھی وحی غیر متلو تھیں یعنی وہ وحی جس میں مفاہیم اللہ کی طرف سے آتے ہیں، الفاظ نبی کے ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ محفوظ نہ رہ سکیں، وہ وحی غیر متلو تھیں۔ قرآن وحی متلو ہے، اس کے الفاظ بھی اللہ کی طرف سے ہیں معانی بھی اللہ کی طرف سے ہیں۔ اس لیے آج تک اس کے ایک لفظ اور ایک زیر زبر کو کوئی ہلا نہیں سکا چونکہ یہ الفاظ بھی اللہ کریم کے ہیں۔ اب اس نعت کو اب کوئی یوں سمجھے کہ الفاظ مفاہیم اللہ کے، پھر حضور ﷺ کے قلب اطہر پر وارد ہوئے، پھر حضور ﷺ کے لب ہائے مبارک سے ادا ہوئے اور میں ایک گنہگار انسان آج وہی الفاظ دوہرا رہا ہوں جو میرے پیارے نبی ﷺ کے لب ہائے مبارک سے ادا ہوئے۔ تو صرف ایک ایک حرف ایک ایک لفظ قرآن کا پڑھنا کتنی لذت دے جاتا ہے۔ فرمایا: وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ (33) اللہ کے سامنے کسی قسم کا فریب نہ کھا جانا، اپنی برائی کے دھوکے میں نہ آ جانا۔ یہ شیطان، یہ نفس تمہیں بڑے بڑے دھوکے دیں گے کہ تم بڑے دانشور ہو، تم بڑے عقلمند ہو، تم بڑے بااختیار ہو، تمہارا نام گونجتا ہے۔ دنیا میں کچھ نہیں ہے ایسا دھوکہ ہے۔ بڑی بڑی گونجیں ختم ہو گئیں، بڑے بڑے نام مٹ گئے۔

مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے

تو کسی غلط فہمی میں نہ آ جانا، تم بڑے دانشور بنے پھرتے ہو، اللہ نے تمہیں توفیق دی، دماغ دیا، راہنمائی فرمائی، تم نے تحقیقات کیں سائنس میں، دوسرے علوم میں، بہت آگے نکل گئے۔ یہ سب اللہ کی عطا ہے۔ تمہاری حیثیت تو یہ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (34)

ذرا بتاؤ کب دنیا تباہ ہوگی، کب قیامت آئے گی؟ یہ جس دنیا کی تعمیر میں تم لگے ہوئے ہو، بھی نہیں پتا کہ وہ دن کب آئے گا، کوئی جانتا ہے دنیا میں۔ اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ (34) وہ اللہ جل شانہٗ جس نے کائنات پیدا فرمائی وہ جانتا ہے کہ اُس نے اُس کا کون سا وقت خاتمہ کا رکھا ہے، کب وہ تباہ ہوجائے گی، یہ اُس نے معین کردی۔ جب اُس نے پیدا کیا تب ہی بتادیا کہ تیری عمر اتنی رکھ دی۔ اب وہی جانتا ہے کہ کب ختم ہوگی۔ ہم تو لگے رہتے ہیں، ہمیں اپنا نہیں پتا ہوتا۔ ہم لگے رہتے ہیں کہ یہ بنانا ہے، یہ بنانا ہے، یہ بنانا ہے۔ اچانک موت آتی ہے، اُٹھا کر باہر پھینک دیتی ہے۔

وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ (34) ارشاد ہوتا ہے کہ زندگی کا مدار، حیات کا مدار اللہ نے پانی پر رکھ دیا ہے۔ پانی کب برستا ہے، کیسے برستا ہے، کوئی جانتا ہے؟ کہتے ہیں جی آج کل سائنسدان پیش گوئی کرلیتے ہیں ہم نے سائنسدانوں کی پیشگوئیاں بھی سنی ہیں۔ کئی دفعہ پیشگوئی بارش کی ہوتی ہے اور سارا دن دھوپ ہوتی ہے اور کئی دفعہ پیشگوئی دھوپ کی ہوتی ہے اور سارا دن بارش برستی رہتی ہے۔ یہ تو جوتشر ہوتی ہیں ٹیلی ویژن پر یا مختلف ذرائع سے، اُن کا تجربہ تو ہمیں بھی ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ سمجھ بھی لیتا ہے تو یہ بھی اللہ نے اُسے جو عقل دی ہے، وہ اُس کے آثار اور اُن کے اسباب دیکھ کر اندازہ لگاتا ہے، لیکن اُس کی تشریحات تو نہیں جانتا کہ کس بارش میں کتنے قطرے برسیں گے؟ کوئی جان سکتا ہے؟ کوئی جانتا ہے کہ کون سا قطرہ سیپ میں جائے گا، گوہر بنے گا۔ کون سا قطرہ سمندر پر گرے گا، کون سا قطرہ خشکی پر گرے گا، کون سا قطرہ صحرا میں جذب ہوکر خشک ہوجائے گا۔ کس قطرے سے کیا اُگے گا، کون سا قطرہ کس پھل کی شیرینی بنے گا، کون سا قطرہ کس غذا کا حصہ بنے گا۔ کیا کوئی جان سکتا ہے؟ بھئی ساری عمر بارش بارش مانگتے رہتے ہو، بارش سے ساری دنیا کے کام چلاتے ہو۔ دریا بارش سے بہتے ہیں، پہاڑوں پر برف بارش سے ہوتی ہے، چشمے بارش سے پھوٹتے ہیں، کھیتیاں بارش سے سیراب ہوتی ہیں، انسان جانور سارا دن پانی پیتے ہیں۔ بارش ہی کا پانی ہے خواہ کنوئیں میں ہے نلکے میں ہے، یا دریا میں ہے۔ کیا تمہیں پتا ہے بارش کب برسے گی، کتنی برسے گی، کتنے قطرے ہوں گے، کتنا پانی ہوگا؟ کہاں کہاں جائے گا؟ اللہ ہی جانتا ہے۔

وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ (34) کوئی نہیں جانتا کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ تم تو اتنے بے خبر ہو کہ تمہیں نہ اپنے اس دنیا کے خاتمے کا کوئی پتا ہے، نہ اس کی بقا کا سبب جو پانی ہے، اُس کے برسنے کا کوئی پتا ہے۔ تم تو اتنے بے خبر ہو کہ جس ماں کے پیٹ کے اندر جو بچہ ہے اُس کا بھی پتا نہیں کہ وہ کیا ہے؟ بڑا دعویٰ کرتے ہیں کہ سائنسدانوں نے دریافت کرلیا ہے پتا کرلیتے ہیں کہ بچہ ہے یا بچی۔ لیکن میرا تجربہ ہے، یہ بھی کئی دفعہ جھوٹ ثابت ہوچکا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بچی ہے تو اُن کا بچہ ہوگیا۔ اسے چھوڑ بھی دیں تو کیا محض بچہ بچی جاننا، جاننا ہے؟ کیا جانتے ہیں کہ اس کی عمر کتنی ہے، شکل کیسی ہے، قد کتنا ہوگا، اس کی عقل دماغ کتنا ہوگا؟ شعور کیسا ہوگا، اس کی بینائی کیسی ہوگی، شنوائی کیسی ہوگی، حواسِ خمسہ کیسے ہوں گے، یہ نیک ہوگا یا بد ہوگا، یہ فقیر رہے گا یا امیر ہوگا، گداگر ہوگا یا بادشاہ بنے گا؟ یہ کاروبار کرے گا، تجارت کرے گا، کھیتی باڑی کرے گا، یہ سپاہی ہوگا یا مزدور؟ کون جانتا ہے کہ اس کے کتنے سیل ہوں گے، کہاں جائیں گے، کب پیدا ہوں گے، کب مریں گے، کتنا اس کا شعور ہوگا، کتنا کام کرے گا؟ کون جانتا ہے؟ کوئی نہیں جانتا۔ یار! اس کو چھوڑو، یہ تو پیٹ کے اندر ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ تمہیں یہ بھی نہیں پتا کہ کل کیا کرو گے؟ جانتے ہو کل کیا کرو گے، تم رات کو طے کرکے سوتے ہو کہ کل فلاں کام کرنا ہے، صبح اُٹھ کر دوسرا گلے پڑ جاتا ہے۔ رات کو تمہارا پروگرام ہوتا ہے اُس سے ملنے جانا ہے، صبح کو اور کوئی مصیبت آجاتی ہے۔ کتنی دفعہ تمہارے ساتھ یہ ہوتا ہے کہ تم سوچتے کچھ اور ہو،

اور صبح کرتے کچھ اور ہو۔ تمہیں اپنے کل کا نہیں پتا۔ تمہارے سارے پروگرام اُس کی بارگاہ میں بنتے ہیں، پھر اُس کے مطابق عمل کرتے ہو، تم خود کچھ نہیں جانتے۔ یار تمہیں تو یہ بھی نہیں پتا کہ کہاں موت آجائے؟

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا ط وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ م بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ (34) کوئی جان کوئی نفس یہ نہیں جانتا کہ کس خطے میں اُس کی روح قبض ہوجائے گی۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (34) لیکن اللہ کو تو یہ سب باتیں پتا ہیں، سب چیزوں کا علم بھی ہے۔ سارے حالات کی خبر بھی ہے۔ انہیں مغیبات خمسہ کہتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ وہ جانتے ہیں کب قیامت قائم ہوگی، کوئی نہیں جانتا۔ نبی کریم ﷺ سے استفسار کیا گیا، آپ ﷺ نے بھی فرمایا یہ اللہ کے علم میں ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ آپ ﷺ نے قیامت سے پہلے وقوع پذیر ہونے والی نشانیاں بتائیں۔ قیامت کی نشانیاں بتائیں کہ قیامت سے پہلے یہ بھی ہوگا، یہ بھی ہوگا، لیکن قیامت کب ہوگی، کتنا عرصہ یہ نشانیاں چلیں گی، کیسے کیسے ہوگا، میں حدیث شریف میں پڑھ رہا تھا، حضور ﷺ نے ایک خوبصورت نشانی یہ فرمائی کہ ایسا لگے گا جیسے سال مہینوں میں گزر گئے۔ مہینے ہفتوں میں گزر گئے اور ہفتے دنوں میں گزر گئے، تو میں نے سوچا یار! یہ تو ہم روز سوتے ہیں۔ کل جمعہ تھا آج پھر جمعہ آگیا، کوئی دن جاتے سمجھ ہی نہیں آتی۔ کل تنخواہ میں بانٹی تھیں اب پھر تنخواہ مانگ رہے ہیں۔ مہینہ گزر گیا، کیسے گزر گیا، کوئی پتا نہیں۔ ہم ساری عمر انیس سو، انیس سو لکھتے رہے، اُنیس سو اسّی، اُنیس سو اسّی، پھر صدی بدل گئی۔ بیس ہوگئی تو حیرت ہے کہ لکھنے میں رکاوٹ ہوتی تھی کہ وہ قلم، ہاتھ جو برسوں، ساٹھ برس اُنیس سو لکھتے رہے تو بیس سو لکھنا عجیب لگ رہا تھا۔ اب پندرہ سال بھی گزر گئے۔ پتا ہی نہیں چلا۔ یہ بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ لوگوں کو سمجھ ہی نہیں آئے گی کہ دن کیسے گزر گئے، وقت کہاں چلا گیا۔ تو کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہوگی۔ کوئی نہیں جانتا کہ بارش میں کیا برسا، کتنا برسا اور کہ اُس سے کیا کیا ہوگا۔ کوئی نہیں جانتا کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ خود اپنا نہیں کسی کو پتا مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا (34) مجھے کل کیا کیا کرنا ہے، کوئی پتا نہیں۔ پروگرام کچھ اور بنا تا ہے، صبح اُٹھ کر کرتا کچھ اور ہے۔ بلکہ کسی کو یہ بھی نہیں پتا کہ کس خطہ زمین پہ مجھے موت آجائے گی۔ یقیناً اللہ کریم جانتے بھی ہیں اور ہر طرح کی خبر بھی رکھتے ہیں، یعنی جو کچھ ہونے والا ہے وہ اللہ کے علم میں ہے، جو کچھ ہو چکا ہے وہ بھی اللہ کے علم میں ہے۔ جو ہو چکا اُسے خبر کہتے ہیں، جو ہونے والا ہے اُسے علم کہتے ہیں۔ علم کہتے ہیں جو بات ہونے والی ہے، ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئی، وہ اللہ کے علم میں ہے، کوئی نہیں جانتا۔ اور جو ہو چکا تم وہ بھی نہیں جانتے، وہ بھی اللہ ہی کو خبر ہے، وہ جانتا ہے۔ الحمدللہ!

ان آیات پر سورۃ لقمٰن مکمل ہوجاتی ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O

صفحہ نمبر 34 سے آگے

خود بھوکے مر گئے، اب شہر والے گوشت روٹی کھائیں گے۔ اس طرح کے رواج اور رسومات بن گئے ہیں تو حقوق اللہ مقدم ہیں۔ ہاں! یہ بات ہے کہ وہ معاف کردے اُس کی مرضی، لیکن معافی بھی تو انہی کو ملے گی جو معافی مانگتے رہتے ہیں، اور جو معافی مانگتے رہتے ہیں وہ حقوق ادا کرنے کی بھرپور کوشش کرکے پھر معافی مانگتے ہیں کہ میری ساری کوشش کے باوجود حق ادا نہیں ہوسکتا۔ تیری عظمت بہت بلند و بالا ہے اور میرا کردار بہت حقیر ہے۔ نیکی کرتے ہیں اور روتے ہیں اور معافی مانگتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں۔ اور حقوق العباد..... معاملہ کرنا پڑے گا لوگوں کے ساتھ، اُن سے معاف کرانے پڑیں گے۔ تو حقوق اللہ کی بنیاد بہت اہم ہے۔ اور جو بادشاہ کی چوری کرلیتا ہے وہ کسی فقیر غریب کو کیا دے گا؟ جو اللہ کے حقوق ادا نہیں کرسکتا کیسے ممکن ہے کہ وہ بندے کے حقوق کی پرواہ کرے گا؟ تو جملہ تو یہ اچھا کہا گیا تھا، اُسے سمجھا اُلٹا جارہا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O

شیخ المکرم کی مجلس میں سوال اور اُن کے جواب

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

سالانہ اجتماع، مئی 2015

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ O اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

سوال: جس طرح کسی ایک فقہی مسلک سے جڑنا ضروری ہے، کیا اسی طرح روحانی سلسلے سے جڑنا بھی لازم ہے؟

جواب: فقہی مسلک سے جڑنا کیوں ضروری ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر بندہ مجتہد نہیں ہوتا، ہر بندہ مسائل کو سمجھ نہیں سکتا۔ آج کل یہ رواج ہوگیا ہے، آپ اکثر Facebook پر دیکھیں کہ لوگ کسی حدیث پاک کو لے کر شروع ہو جائیں گے۔ یہ حدیث ہے، یہ مسئلہ اس طرح ہے۔ قرآن کریم کی کوئی آیت لے کر اُس سے حکم اخذ کرلیں گے اور کہیں گے یہ آیت ہے، اس کا یہ حکم ہے۔ قرآن وحدیث سے حکم اخذ کرنے کے لیے علم کا وہ درجہ چاہیے جسے اجتہاد کہتے ہیں۔ ہر عالم مجتہد نہیں ہوتا۔ آیت کا شانِ نزول کیا ہے، کس پس منظر میں وہ نازل ہوئی، اُس سے کیا حکم اخذ کیا گیا، نبی کریم ﷺ نے اُس کا مفہوم کیا بتایا، صحابہ کرامؓ نے اُس کا مفہوم کیا سمجھا، اُس پر انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے عمل کیسے کیا، جسے حضور ﷺ نے قبول فرمایا۔ یہ سارے معاملات جو جانتا ہو وہ مسئلہ اخذ کرتا ہے۔ حدیث شریف کا معاملہ اس سے بھی نازک ہے کہ بے شمار حدیثیں لوگوں نے گھڑ کے بھی اُس میں شامل کردیں۔ ایک عام آدمی کو پتا نہیں چلتا کہ یہ حدیث درست ہے صحیح ہے، حسن ہے، ضعیف ہے یا موضوع ہے۔ جس کے رواۃ (رویت کی جمع) کمزور ہوں، اُسے کمزور درجہ دیا جاتا ہے، اور پھر جو بالکل غلط ہو تو بتایا جاتا ہے یہ کسی نے گھڑ کے حدیثوں میں شامل کی ہے، موضوع ہے۔ حدیث شریف کو جانچنے کے لیے علمائے حق نے سترہ علوم ایجاد کیے، یعنی سترہ علوم پہ اُسے عبور ہو تو پھر وہ حدیث سے مسئلہ اخذ کرسکتا ہے، جن میں ایک اسمائے الرجال کا ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ جتنے راویوں نے احادیثِ مبارکہ بیان کی ہیں اُن کے ترتیب وار نام Alphabetically، اُن کے نام، اُن کے والد کے نام، اُن کا خاندان، اُن کا بیک گراؤنڈ، اُن کی زندگی، اُن کے بارے میں لوگوں کی رائے شامل ہوتی ہے تو اگر اُس سے جھوٹ ثابت ہے تو وہ لکھتے ہیں کہ اس پر جھوٹ کا الزام ہے۔ بعض بھلے لوگوں سے بھی وہ حدیث نہیں لیتے کہ اسے نسیان (بھولنے) کا مرض تھا، یہ بھول جاتا تھا، آدمی سچا تھا لیکن اس کی یادداشت کمزور تھی۔ تو یہ سترہ علوم آتے ہوں تب جاکر بندہ حدیث سے مسئلہ اخذ کرتا ہے۔ آج کل یہ رواج ہوگیا ہے فیس بک پہ دیکھنے کو ملتا ہے، ہر بندہ ایک نیا مسئلہ بتا دیتا ہے، ساتھ میں ایک آیت لکھ دیتا ہے یا حدیث لکھ دیتا ہے۔

تو جن آئمہ فقہ نے فقہ ترتیب دی انہوں نے عمریں صرف کیں اور اس پائے کے عالم تھے کہ پھر تب سے اب تک بے شمار علمائے حق، بڑے بڑے عالم گزرے سارے ہی مکلف گزرے۔ ان آئمہ اربعہ نے کوئی موضوع تشنہ نہیں چھوڑا، تو احکام شرعی میں اس لیے تقلید ہوتی ہے۔ عقیدے میں تقلید نہیں ہے، ہر ایک کا اپنا عقیدہ ہے۔ فرائض جو ہیں نماز، روزہ، جائز ناجائز، حلال حرام، پاکی پلیدی، اس میں تقلید ہوتی ہے۔ جو مجتہد نہیں ہے اُسے مجتہد کے پیچھے چلنا پڑتا ہے۔ ارشاد باری

تعالیٰ ہے: فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل:43)

ترجمہ: اگر تم خود نہیں جانتے تو اہلِ علم، ذکر جاننے والوں کے پیچھے چلو، اُن سے پوچھو۔ یہ تو ہے تقلید کا معاملہ کیونکہ تقلید ضرورت ہے۔ جو آئمہ کی تقلید نہیں کرتے وہ سارے مجتہد تو نہیں ہوتے، وہ ماوشما کی تقلید کرتے ہیں۔ کوئی مسئلہ مجھ سے پوچھ لیں گے، کوئی آپ سے پوچھ لیں گے، کسی اور سے پوچھ لیں گے کیونکہ سارا کچھ جانتے تو وہ بھی نہیں۔

یہ تو رہا معاملہ کسی نہ کسی فقہ سے جڑنے کا۔ رہی دوسری بات کہ کسی نہ کسی روحانی سلسلے سے جڑنا ضروری ہے تو یاد رکھیں دینِ اسلام کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ ہے "اقرارٌ باللسان" زبانی اقرار کرنا۔ دوسرا حصہ ہے "تصدیقٌ بالقلب" دل سے تصدیق کرنا۔ پہلا حصہ ہر کوئی دیکھ سکتا ہے۔ جو کلمہ پڑھتا ہے لوگ اس کی گواہی دیتے ہیں اس نے کلمہ پڑھا ہے یہ مسلمان ہے۔ جو معاملہ قلب کا ہے وہ اللہ کے ساتھ ہے۔ اگر کوئی کلمہ پڑھ لیتا ہے اور اُس کا دل تصدیق نہیں کرتا تو ظاہراً اُس پر سارے اسلام کے ہی احکام وارد ہوں گے، اُسے مسلمان کے سارے حقوق حاصل ہوں گے لیکن قیامت کو جو فیصلہ ہوگا وہ تصدیقِ قلبی پر ہوگا۔ زبانی اقرار کیا، دل سے نہیں مانا تو منافق ہوگا اور منافق کی سزا کفار سے بھی زیادہ ہے۔ ارشاد ہے: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء:145) دوزخ کے سب سے نچلے حصے میں، کافروں سے بھی نیچے منافق ہوں گے۔ یہ فیصلہ میں اور آپ نہیں کر سکتے۔

یہ تصدیقِ قلبی کہاں سے آئے گی؟ "سورۃ الحجرات" میں اللہ کریم کا ارشاد ہے کہ برکاتِ نبوت یہ ہیں کہ اُس کے طفیل اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان اور نیکی کی محبت بھر دی اور گناہ اور نافرمانی سے تمہارے دلوں میں نفرت پیدا کر دی۔ برکاتِ نبوت یہ ہیں کہ دل کی کیفیت بدل گئی، نیکی سے پیار ہو گیا، نیکی میں مزہ آنے لگا، گناہ کی تلخی محسوس ہونے لگی اور گناہوں سے نفرت ہو گئی۔ اب یہ کیفیات سینہ بہ سینہ چلتی ہیں اور ان کے لیے ملاقات شرط ہے۔ حاضر ہو کر جو توجہ لے اُسے یہ کیفیات جتنی اللہ دے، اسے اس حیثیت سے حاصل ہوتی ہیں۔

تو کسی نہ کسی روحانی سلسلے سے جڑنا تو ضروری ہے لیکن اُس سلسلے سے جس میں یہ برکات بھی ہوں۔ یہ خانہ پُری ضروری نہیں ہے کہ ہم نے ایک پیر صاحب کی بیعت کر لی۔ چلو جی نہ کوئی ہماری صحت پہ اثر پڑا نہ پیر صاحب کی صحت پر اثر پڑا، ویسے ہی بدکار بھی رہے، بے دین بھی رہے، بیعت کا کھاتہ بھی پورا ہو گیا، سالانہ فیس ادا کر دی تو گناہوں کا بوجھ پیر صاحب پہ چلا جائے گا اور ہم بری ہو جائیں گے، ایسا نہیں ہوگا۔

بیعت کرنے کے لیے یا تو بیعتِ اصلاح کریں۔ بیعتِ اصلاح ہر اُس بندے سے ہو سکتی ہے جو روزمرہ کے احکام جانتا ہو اور آپ کی رہنمائی کر سکتا ہو، ضروری نہیں کہ بہت بڑا عالم ہو۔ روزمرہ کے معمولات جو ہیں کھانا پینا، کمانا، تعلقات، اس کے احکامات جانتا ہو اور وہ آپ کی راہنمائی کر سکتا ہو، تو بیعتِ اصلاح اُس سے بھی ہو جاتی ہے۔ کسی بڑے عالم سے ہو تو اور اچھی بات ہے لیکن یہ ظاہری اصلاح کے لیے ہوتی ہے۔ برکاتِ قلبی کے لیے اگر بیعت چاہیے تو پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ اُس شیخ سے کسی میں تبدیلی آئی؟ جو آپ سے پہلے اُس کے ساتھ ہیں، کیا اُن کے دلوں میں وہ کیفیت آئی کہ انہیں گناہ برے لگنے لگیں اور نیکی پسند آنے لگے؟ اُن کی عملی زندگیوں میں تبدیلی آئی؟ کیونکہ وہ تبدیلی مقصود ہے کہ دل میں وہ برکات آ جائیں کہ دل کو گناہ میں لذت نہ آئے اور نیکی میں لطف آئے، اگر یہ نعمت ملے تو اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔ نہ ملے تو خانہ پری کے لیے کسی سلسلے میں داخل ہونے سے کچھ حاصل نہیں ہے۔ بلکہ خانہ پری کے لیے داخل ہونے کا نقصان یہ ہے کہ بندہ اس کی جستجو ہی چھوڑ دیتا ہے کہ چلو ہو گیا، کام ہو گیا، تو اُس کا اُلٹا نقصان ہوتا ہے۔

سوال: پہلی وحی کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کو جبرائیلؑ نے تین مرتبہ سینے سے لگا کر بھینچا، اُن کے اس عمل کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: جبرائیل امین جب غارِ حرا میں تشریف لائے اور پہلی وحی آئی تو پہلی وحی یہ تھی "اقراء" پڑھیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "مَا اَنَا بِقَارِیٍ" میں تو پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں۔ تو جبرائیل امین نے حضور

اکرم ﷺ کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچا۔ پھر فرمایا: "اِقْرَأْ" آپ ﷺ نے پھر فرمایا "ما انا بقاری" میں تو پڑھا لکھا نہیں ہوں، کیا پڑھوں؟ پھر انہوں نے، یعنی تین دفعہ اپنے سینے سے لگا کر بھینچا اور پھر عرض کیا "اِقْرَأْ" تو تیسری دفعہ حضور ﷺ نے پڑھنا شروع کر دیا۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (العلق: 1)۔ مراد یہ تھی کہ جو برکات من جانب اللہ جبرائیل امین لائے تھے، وہ حضور ﷺ کے قلب اطہر میں منتقل کیں۔ وہ تو ایک امین تھے، اللہ کی جو نعمت لائے وہ پہنچا دی، تو اس سے حضرات توجہ مراد لیتے ہیں اور عموماً طالب کو پہلی دفعہ اذکار پہ، قلب پہ یا لطائف پہ تین دفعہ توجہ دی جاتی ہے وہ مشائخ کہیں سے اخذ کرتے ہیں۔ مشائخ ایک دفعہ توجہ دیتے ہیں، پھر دوسری دفعہ پھر تیسری دفعہ، تو اللہ کرتا ہے سالک چل پڑتا ہے۔

اس میں ایک اور بات بھی نکلتی ہے کہ ہر مومن کو حسب توفیق علم حاصل کرنا چاہیے۔ دین کی بنیاد علم پر ہے، جاننے پر ہے۔ کوئی اللہ کریم کی عظمت کو، اُس کی صفات کو جانے گا نہیں تو مانے گا کیسے؟ کوئی احکام کو جانے گا نہیں تو اُن پر عمل کیسے کرے گا؟ تو دین شروع ہوتا ہے بنیاد سے اور بنیاد ہے "اِقْرَأْ" پڑھنے۔ ہر مومن کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ علم حاصل کرے، بچوں کو علم دے اور علم کو سب سے زیادہ محنت کر کے حاصل کرے۔ آگے علم کی دو اقسام ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا 'العلم' (The Knowledge) جسے علم کہا جاتا ہے۔ 'علمان' یہ دو طرح سے ہے علم الابدان وعلم الادیان او کما قال رسول اللہ ﷺ .علم الابدان وجود کا علم۔ فزیکل سائنسز (Physical Sciences) کا علم ہے۔ اس میں طب بھی آجاتی ہے، اس میں معلومات بھی آجاتی ہیں، اس میں تاریخ، جغرافیہ بھی آجاتا ہے۔ اس میں سائنس بھی آجاتی ہے، جتنے ظاہری علوم ہیں وہ علم الابدان میں آجاتے ہیں کیونکہ سارے علم یا بدن کی اصلاح کے لیے ہیں یا بدن کو پالنے کے لیے، تو علم الابدان میں آجاتے ہیں۔ لیکن یہ آدھا علم ہے۔ باقی آدھا علم ہے علم الادیان۔ علم الادیان اور علم الابدان۔ آدھا علم ہے علم الادیان، اسے آپ کہہ سکتے ہیں Normative sciences کا علم۔ جو مادی نہیں ہے، نظر نہیں آتے مثلاً عقیدہ، ایمان، اخلاقیات، حدود و قیود، جائز و ناجائز یعنی شریعت کا علم۔ تو یہ دونوں ہی بندے کے پاس ہوں تو وہ عالم ہے۔ علوم ظاہری سے بھی آشنا ہو، علوم باطنی کو بھی جانتا ہو۔ علوم دین سے بھی آشنا ہو، علوم دنیا میں بھی دسترس رکھتا ہو۔ ہمارے آج کے زوال کا سبب یہ ہے کہ ہم مسلمانوں نے دونوں میں سے ایک ایک کو پکڑ لیا ہے۔ جن کے پاس چار پیسے ہیں یا جو آسودہ حال ہیں وہ ساری عمر صرف علم الابدان، دنیوی علم کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ پی ایچ ڈی اور ٹرپل ایم اے اور نجانے کیا کیا کرتے رہتے ہیں لیکن انہیں سیدھا کلمہ بھی نہیں آتا۔ اور جو لوگ علوم دین کی طرف گئے ہیں وہ دین ہی پڑھتے رہتے ہیں ساری عمر انہیں پتا نہیں ہوتا کہ دنیا کے علوم کیا ہیں۔

یہ تقسیم برصغیر میں انگریز کے آنے کے بعد ہوئی۔ انگریز کے آنے سے پہلے مسلمان حکمرانوں نے یونیورسٹیاں بنا رکھی تھیں اور قدم قدم پر یونیورسٹی تھی جسے جامعات کہتے تھے۔ انہیں زمینیں دیں۔ اُن کے بورڈ آف گورنرز ہوتے تھے جو انتظام کرتے تھے۔ زمینوں کی آمدنی سے عمارتیں بنتی تھیں، کتابیں بھی آتی تھیں، بچوں کی فیس کا بھی ہوتا تھا، بچوں کی غذا اور خوراک کا بھی انتظام ہوتا تھا، بچوں کو لباس بھی دیتے تھے۔ اب تو ہم جہاں جمعہ پڑھتے ہیں اسے جامعہ کہہ دیتے ہیں۔ جامعہ سے مراد جمعہ پڑھنے والی مسجد نہیں ہے جامعہ انگریزی لفظ یونیورسٹی کا متبادل ہے۔ جامعات یونیورسٹیاں تھیں اور بادشاہ سے لے کر فقیر کا بیٹا سب ایک طرح سے اُن یونیورسٹیوں میں مفت تعلیم حاصل کرتے تھے۔ جرنیل بھی وہاں سے آتے تھے، بادشاہ بھی انہی یونیورسٹیوں سے نکلتے تھے، طبیب اور ڈاکٹر بھی وہیں سے آتے تھے اور علماء اور حکماء بھی وہیں سے آتے تھے۔ مؤرخ اور سائنس دان بھی وہیں سے نکلتے تھے۔ یونیورسٹی تکمیل علوم کے لیے مکمل ہوتی تھی۔ انگریز نے جب برصغیر پر قبضہ کیا تو اُس نے دینی تعلیم والوں پر پابندی لگا دی کہ جس کے پاس

دینی علم ہے انہیں کوئی ملازمت نہ دی جائے، سرکاری نوکری نہ دی جائے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دینی علم بے آسرا ہوگیا۔ انہوں نے یونیورسٹیوں سے زمینیں چھین لیں، اور اب مجھے صحیح تعداد یاد نہیں، مجھے تعداد کا علم تھا اب مجھے یاد نہیں، پنجاب، صرف پنجاب میں ہزاروں مربع جات زمین جو جاگیرداروں کو انگریز نے دی، یہ ساری وہ زمین تھی جو دینی مدارس سے چھینی گئی تھی۔ یہ جتنے آپ کو وڈیرے ملتے ہیں جنہیں ہزار ہزار مربع، پانچ پانچ سو مربع، دس دس مربع زمین انگریز نے دی تھی، یہ ساری وہ تھی جو دینی مدارس اور یونیورسٹیوں سے انگریز نے چھین لی تھی۔

تو اس مجبوری کے تحت علمائے حق نے زکوٰۃ، صدقات کا آسرا لیا کیونکہ حکومت نے آمدنی کے ذرائع تو بند کر دیے تو زکوٰۃ، صدقات لے کر بڑے بڑے اولوالعزم علماء نے اُس دینی تعلیم کو جاری رکھا، مدارس کو زندہ رکھا لیکن اُن کے پاس اتنے وسائل نہیں تھے کہ اُسے یونیورسٹی بناتے اور دنیوی تعلیم بھی دیتے۔ دنیوی تعلیم تو حکومت نے سنبھال لی، دینی علماء نے مجاہدہ کر کے، بوریے پر سو کر اور روکھا سوکھا کھا کر، زکوٰۃ صدقات مانگ کر وہ سسٹم جاری رکھا۔

اب ہمیں اس میں مزہ آگیا ہے، اب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑا اچھا روزگار ہے۔ میری ایک مولوی صاحب سے ملاقات ہوئی میرے اچھے دوست تھے۔ انہوں نے بیٹے کی شادی کی تو مجھے ساتھ لے گئے کہ آؤ میں تمہیں دکھاتا ہوں۔ ایک چھوٹی سی بچی مسجد، ساتھ رہائش کے لیے دو چھوٹے کمرے، ایک کوٹھا طلباء کے لیے، کہنے لگے اس کی شادی کر دی ہے اسے یہ مسجد بنا دی ہے۔ یہ گھر بنا دیا ہے، یہ مدرسہ بنا دیا ہے۔ اب آگے کمانا کھانا اس کا کام ہے، یعنی بات کہاں سے چلی تھی اور کہاں پہنچ گئی۔ اب ہم نے اسے ذریعہ معاش بنالیا ہے۔ جب مسلمانوں کو اقتدار ملا اور پاکستان بنا تو پھر حق تھا، چاہیے تھا کہ ان دینی مدارس کو پھر یونیورسٹی کا درجہ دیا جاتا، دینی دنیوی تعلیم کو یکجا کیا جاتا، بچے الف اے کرتے، پھر اگر کوئی تفسیر پڑھنا چاہتا تو تفسیر کی طرف جاتا، کوئی حدیث کی طرف جاتا، کوئی فقہ کی طرف جاتا، کوئی میڈیکل کی طرف جاتا، کوئی کسی اور شعبے کی طرف، جس طرف چاہتے جاتے اور ان کا بجٹ میں حصہ ہوتا۔ زکوٰۃ و صدقات حکومت کا کام ہے، مرکز کا کام ہے۔ وہ جمع کرتے اور اسے تقسیم کرتے اور پبلک کی بہتری پہ اُسے خرچ کرتے۔ لیکن وہ نہ ہو سکا کیونکہ حکمران بھی وہ طبقہ بنا جو صرف دنیوی علوم رکھتا تھا، دین سے ناآشنا تھا اور پھر آگے ہمارے اقتدار کے محلوں میں وراثت چل نکلی۔ باپ کے بعد بیٹا، بیٹے کے بعد پوتا اور ابھی تک چلی جا رہی ہے۔ دو چار خاندان مسلط ہیں، وہ باری باری آتے جاتے رہتے ہیں، اپنا وقت گزار رہے ہیں۔ اب ہونا یہ چاہیے تھا کہ انہیں یکجا کیا جاتا اور بہترین تعلیم دی جاتی مگر ہماری بدقسمتی ایسا نہ ہو سکا۔ پھر بھی غنیمت ہے کہ اللہ کریم نے ایسا نظام بنا دیا ہے کہ دینی تعلیم بھی چل رہی ہے۔ لیکن آج ہمیں اس کا نقصان یہ ہے کہ جو صرف دین پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں ساری خرابی کے ذمہ دار یہ ہیں جن کے پاس دنیوی تعلیم ہے، اور جو صرف دنیوی تعلیم پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں ساری خرابی کا ذمہ دار مولوی ہے۔ مدرسوں کو بند کر دو، مدرسوں میں دہشت گرد پیدا ہو رہے ہیں، مدرسوں میں یہ ہو رہا ہے، مدرسوں میں وہ ہو رہا ہے۔ یہ سارا اس کا نتیجہ ہے کہ یہ ایک دوسرے سے ناواقف ہیں۔ اللہ کرے کوئی بہتر وقت آئے، اللہ ہمیں توفیق دے اور ہم اس کو یکجا کر سکیں اور واللہ العلم اللہ ہمیں نصیب فرمائے۔ آمین!

سوال: قرآن پاک میں ہے جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اُس کے پڑھنے کا حق ادا کرتے ہیں۔ یہاں پڑھنے کا حق ادا کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہ بالکل درست ہے کہ قرآن پاک میں یہ ارشاد ہے۔ قرآن کریم کو کچھ لوگوں نے بلکہ اکثر لوگوں نے تو وظائف کی کتاب بنالیا ہے۔ وہ قرآن سے اتنی ہی رغبت رکھتے ہیں کہ کوئی وظیفہ بتا دیں جس سے پیسے مل جائیں، کوئی وظیفہ بتا دیں جس سے دکان چل چلے، کوئی وظیفہ بتا دیں جس سے بیماری ٹل جائے۔ بس اس طرح کا تعلق

رکھتے ہیں۔لیکن قرآن کریم ہے کیا؟ قرآن حکیم 'العلم' کا خزانہ ہے۔ 'العلم' جس میں دین اور الٰہیات کا، ایمانیات کا، کیفیات کا علم بھی ہے اور دنیا کے سارے علوم بھی جمع ہیں، جو علم میں بھی اضافہ کرتا ہے اور کیفیات بھی عطا کرتا ہے۔علم کے دو درجے ہیں، ایک درجہ ہے جاننا۔ یہ جاننا حقیقتِ علم نہیں ہے، یہ صورتِ علم ہے۔ بہت سی باتیں ایک بندہ جانتا ہے اُس کی کوئی کیفیت ان پر وارد نہیں ہوتی تو اُس کے پاس علم نہیں ہے، خبر ہیں ہیں۔ اخبار کے اوراق پہ کتنی خبریں ہوتی ہیں، کیا کسی ورق پہ کسی خبر کا اثر ہوتا ہے؟ خوشی کی خبر ہو یا غمی کی ہو تو ورق تو اُس سے اثر کوئی نہیں لیتا، اُس پہ صرف لکھی ہوتی ہیں۔ اس طرح جن باتوں کی بندے کو خبر ہو جائے اور اس کی کوئی کیفیت بندے پہ وارد نہ ہو تو وہ علم نہیں، وہ خبر ہے۔

علم وہ ہے کہ جو خبر آئے اُس کی کیفیت بھی دل پہ وارد ہو۔ علم یہ ہے کہ اللہ واحد ہے زبان تک پہنچے، دماغ تک پہنچے تو دل ٹوٹ جائے کہ اللہ واحد ولاشریک ہے۔ یہ حکم ہے اللہ کا، ایسا کرنا ہے، یہ علم دماغ تک پہنچے تو دل اُس پہ ڈٹ جائے کہ اب ایسا ہی کرنا ہے۔ دماغ تک علم پہنچے، نالج پہنچے کہ یہ نہیں کرنا تو دل بھی اُس پہ ڈٹ جائے کہ اب یہ نہیں کرنا، یہ علم ہے۔ قرآنِ کریم علم کا خزانہ ہے۔ پڑھنے کا حق یہ ہے کہ اُس کی تلاوت کرے، اُس کے مفاہیم کو سمجھے اور خلوصِ دل سے اُن پر عمل کرے تو یہ پڑھنے کا حق ہے۔

قرآنِ کریم کو دیکھنا بھی عبادت ہے، چھونا بھی عبادت ہے، سمجھ نہیں آتی تو بھی پڑھنے کا الگ ثواب ہے۔ ایک مزے کی بات یہ ہے کہ قرآنِ کریم کو بغیر سمجھے بھی پڑھو تو ایک کیفیت دل پہ آجاتی ہے جو اطاعت کی کیفیات پیدا کرتی ہے۔ قرآن کریم میں سورتوں کے شروع میں حروفِ مقطعات ہیں جیسے الٓمٓ، فاتحۃ الکتاب کے بعد سورۃ البقرہ شروع ہی حروفِ مقطعات سے ہوتی ہے، پھر بے شمار صورتوں میں حروفِ مقطعات ہیں۔ اب کوئی نہیں جانتا کہ حروفِ مقطعات کا معنی کیا ہے؟ اللہ جانے یا اللہ کا رسول ﷺ جانیں یا اہل علم جنہیں اللہ نے بتا دیا وہ جانیں لیکن نہ جاننے کے باوجود اُن کا پڑھنا ضروری ہے، چھوڑے نہیں جاسکتے۔ جب معنی ہی ہمیں نہیں پتا تو پڑھنے کا کیا فائدہ؟ انہیں پڑھنے سے اُن میں جو برکات ہیں، وہ کیفیت بھی دل پہ آتی ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی باتی قرآن کا معنی نہیں بھی جانتا لیکن اگر وہ تلاوت خلوص سے کرتا رہے تو وہ کیفیت دل میں آجائے، نیکی دل میں محبوب ہو جائے اور برائی بری لگنے لگے، کڑوی لگنے لگے، وہ کیفیت آجاتی ہے۔ تو قرآنِ کریم کے پڑھنے کا حق یہ ہے کہ ہمارا کردار اُس کے ساتھ ساتھ تعمیری بنتا جائے اور تخریب اُس میں سے نکلتی جائے تو یہ پڑھنے کا حق ہے۔ ضروریات بھی انسان کے ساتھ ہیں اور حضور اکرم ﷺ کے ارشادِ عالی کا مفہوم ہے کہ اگر جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اللہ کریم سے مانگو، یعنی چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کے لیے بھی ضرور دعا کرو۔ تو اپنی حاجات اللہ کو پیش کرنا بجائے خود عبادت ہے۔ اس کے لیے قرآن پڑھ کے آپ دعا کریں، درود شریف پڑھ کے دعا کریں، تسبیح پڑھ کے دعا کریں، یہ جائز ہے۔ لیکن محض ضروریات کے لیے بطور وظیفہ قرآن کو پڑھنا یہ قرآن کی عظمت کے خلاف ہے اور بے ادبی ہے۔

سوال: عموماً کہا جاتا ہے کہ حقوق اللہ تو اللہ کریم معاف فرما ہی دیں گے لیکن حقوق العباد تو بندوں ہی نے بخشنے ہیں، اس لیے اُن پر توجہ دینی چاہیے۔ اس بات سے تاثریوں ملتا ہے کہ حقوق العباد کی اہمیت حقوق اللہ سے زیادہ ہے۔

جواب: بات بظاہر تو ایسی ہی ہے کیونکہ میں نے عرض کیا کہ باتوں کے سیاق وسباق کو اور اُن کی وجہ کو اور بنیاد کو کس Base پر یہ بات کی گئی سمجھنا ضروری ہے، نہ سمجھا جائے تو بات کا مفہوم بدل جاتا ہے۔ اس بات کا مطلب تو یہ ہے کہ حقوق اللہ ادا کیے جائیں، حقوق العباد بھی پورے خلوص سے ادا کیے جائیں۔ ایک شخص جو بادشاہ کے مال میں چوری کر لیتا ہے، کیا کسی عام آدمی کا مال اُس سے محفوظ رہے گا؟ ایک اتنا بڑا چور ہے جو بادشاہ کے خزانے سے چوری کر لیتا ہے، اُس کا مال چرا لیتا ہے تو کیا عام آدمی اُس چور سے محفوظ رہے گا؟ کوئی شخص اتنا

بدبخت ہے جو اللہ کے حقوق ادا نہیں کرتا تو وہ بندوں کے حقوق کو کیا سمجھے گا؟ جو بدنصیب حقوق اللہ کی پرواہ نہیں کرتا پھر اُسے بندوں کے حقوق کی کیا پرواہ؟ بندوں کی حیثیت کیا ہے؟

تو یہ جس کسی نے بھی کہا، تاکیداً کہا گیا ہے کہ اللہ کے حقوق تو مقدم ہیں لیکن بندوں کے حقوق کا بھی خیال رکھا جائے اور اللہ کریم کے حقوق جو ہیں اگر ان میں کوئی کوتاہی ہوگئی، کمی رہ گئی تو اللہ کریم معاف فرمادیں گے۔ جو بندوں کے حقوق میں کمی رہ گئی وہ بندوں سے معافی لینا پڑے گی۔ پھر وہاں اور مصیبت بن جائے گی، یا آپ کی نیکیاں اُس کو دے دی جائیں گی یا نیکیاں ختم ہوگئیں تو اُس کے گناہ آپ پر لاد دیئے جائیں گے، کوئی نہ کوئی حساب تو ہوگا۔ تو یہ تاکید اس لیے کی گئی ہے کہ اللہ کے حقوق کی تو اہمیت یہ ہے کہ اللہ کے حقوق ادا کیے بغیر ہر سانس لینا گستاخی ہے، گناہ ہے، جرم ہے، حقوق اللہ کا اپنی پوری ہمت کے مطابق خیال رکھنا ضروری ہے، اور وہ کریم ہے اُس نے تو کہہ دیا کہ اس کی رحمت ہر شے سے وسیع ہے۔

پرسوں میرے پاس ایک خط آیا تھا، انہیں اپنی عمر کی زیادتی سے بھی شکوہ تھا اور بیماری سے بھی۔ عمر 37 برس ہوگئی ہے، نماز نہیں پڑھ سکتا، جوڑوں میں بھی درد ہوتا ہے، فلاں درد ہوتا ہے وہ بھی ہوتا ہے۔ چلو یہ بھی چھتی ہوگئی بڑھاپا بھی آگیا 37 برس میں..... اور کبھی ہفتے میں ایک آدھ بار کبھی دو ہفتے میں ایک بار ذکر بھی کرتا ہوں، پھر.....اب میں حج پہ جارہا ہوں کوئی وظیفہ بتائیں جس سے حج قبول ہوجائے۔ میں نے کہا بڑے کاریگر ہو یار، نیچے تو کچھ بنایا ہی نہیں اور چوبارہ بنانے چلے ہو۔ پہلی منزل تو ہے نہیں، دوسری بنانے چلے ہو۔ میرے پاس تو کوئی ایسا وظیفہ نہیں کہ ہوا سے دوسری منزل بن جائے، خود ہی محنت کرو۔ عجیب کاریگری ہے کہ بنیاد ہے ہی نہیں، نماز روزہ ہی نہیں ہے اور حج کررہے ہیں۔ تو یہ ہماری بدنصیبی ہے اور ہم اس حال کو پہنچ گئے ہیں۔ ہم نے یہ بنالیا ہے کہ شاید عمرہ اور حج کرلیا تو جیسے تیسے چلو سارا حساب بے باق ہوگیا۔ حج اور عمرے کے بھی قاعدے، ضابطے اور حقوق ہیں اور تعمیرات درجہ بدرجہ ہوتی ہیں۔ نیچے بنیاد بنائیں، نیچے کمرہ بنائیں پھر آپ کے بالا خانے بنیں گے۔ بنیادی حقوق جو فرائض ہیں آپ پر..... یہاں جو فرض ہیں ہم وہ ادا نہیں کرتے اور جن پر حج فرض نہیں ہے وہ بھی قرض لے کر پیسے مانگ کر حج پر جانا چاہتے ہیں۔ بھئی تم پر حج فرض ہی نہیں ہے تو مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ تمہارے پاس پیسے نہیں ہیں تم پر حج ہی فرض نہیں ہے، تو جو فرض نہیں ہے اُس کے لیے بھاگ رہے ہو، یہاں جو فرائض ہیں کیا وہ پورے کررہے ہو؟ اسی طرح ہر بندہ دوڑ رہا ہے عمرے کے لیے۔ چوری سے پیسے کمائیں گے، رشوت لیں گے، چیزیں بددیانتی سے بیچیں گے، مہنگی بیچیں گے، اُس کی کوالٹی خراب کردیں گے، پیسے زیادہ لے لیں گے، کوالٹی اچھی نہیں دیں گے وہ، سارا جھوٹ، حرام، سود لے لیں گے۔ بینک سے وہ اکٹھا کرکے بھاگ کر عمرہ کرآئیں گے کہ حساب بے باق ہوگیا۔ ایسا نہیں ہوگا، عمرے اور حج پر جانے کے لیے کردار میں بھی اور مال میں بھی بنیاد شرط ہے۔ جو بندہ نمازیں ہی نہیں پڑھتا وہ حج کیا کرے گا؟ اور حج کرکے آئے گا تو پھر کیا کرے گا؟ جو یہاں نہیں پڑھتا وہ حرم میں جاکر پڑھ لے گا؟ تو یہ سیر سپاٹا ہی ہے۔ اور جب حج فرض ہے تو ضرور جائے۔ فرض نہیں ہے تو جو یہاں فرائض ہیں وہ پورے کرے۔ نبی کریم ﷺ ایک دفعہ عمرے پر تشریف لے گئے، وہ بھی باذن الٰہی تھا۔ آپ کو خواب میں دکھایا گیا اور حضور ﷺ نے اُس کی تعمیل کی، اور ایک حج آپ ﷺ نے کیا 'حجۃ الوداع'۔ پورے عرب کی حکومت بھی آپ کے پاس تھی، مکہ مکرمہ بھی اسلامی ریاست میں تھا، وہاں کے گورنر، حکمران بھی حضور ﷺ کے خادم تھے۔ حضور تو ہر دوسرے دن کوئی نہیں تشریف لے گئے، وہی ایک عمرہ کیا جو اللہ نے خواب میں دکھایا۔ نبی کا خواب بھی وحی ہوتا ہے، اللہ کے حکم کے مطابق کیا۔ ایک حج فرمایا، حجۃ الوداع۔ ہم کون سی نیکی لینے روز بھاگ رہے ہوتے ہیں؟ ماں باپ بھوکے مررہے ہیں، ان کی دوا نہ لائیں گے، انہیں روٹی نہیں دیں گے، حج پہ عمرے پہ چلے جائیں گے۔ مرجائیں گے تو شہر کی دعوت ہوگی، (بقیہ صفحہ نمبر 28 پر)

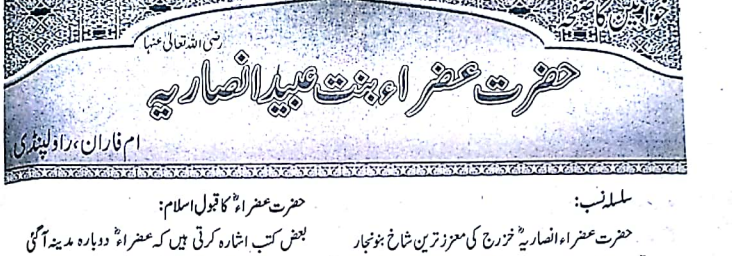

سلسلہ نسب:

حضرت عشراء انصاریہؓ خزرج کی معزز ترین شاخ بنو نجار سے تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے عشراءؓ بنت عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار۔

نکاح:

ان کا نکاح حارث بن رفاعہ سے ہوا۔ وہ بھی بنو نجار سے تھے۔ حضرت عشراءؓ کے اُن سے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ معاذ، معوذ اور عوف اور یہ انصار میں سے ہیں۔ (طبقات، ج:۸، ص:۴۴۳؛ الاصابہ، ج:۴، ص:۳۵۳)

دوسرا نکاح اور اولاد:

علامہ زرقانیؒ نے شرح مواہب میں حافظ ابن حجر کے حوالے سے لکھا ہے کہ حارث بن رفاعہ نے ہجرتِ نبوی سے بہت پہلے وفات پائی جبکہ سیر اعلام النبلاء (ج:۱، ص:۱۸۵) میں ہے کہ ان کے شوہر نے انہیں طلاق دے دی اور پھر یہ مکہ آئیں اور کبیر بنتی سے ان کا نکاح ہوا۔ ان کے صلب سے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ ایاسؓ، عامرؓ، خالدؓ اور عاقلؓ۔ ان چاروں کو سابقون الاولون میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ چاروں فرزند مہاجرین میں سے ہیں۔ کیسی عمدہ بات ہے کہ تین فرزند انصاری اور چار مہاجرین مع النبیؐ۔ یہ چاروں اشخاص سب سے پہلے اشخاص میں سے ہیں جنہوں نے دارِارقم میں حضورؐ کی بیعت کی۔

حضرت عشراءؓ کا قبول اسلام:

بعض کتب اشارہ کرتی ہیں کہ عشراءؓ دوبارہ مدینہ آگئی تھیں۔ یہیں زندگی بسر کررہی تھیں جب اسلام کا ظہور ہوا۔ حج کے زمانے میں نبوت کے گیارہویں سال دعوتِ اسلامی تیزی سے پھیل رہی تھی۔ اس سال حضور ﷺ منیٰ کی وادی عقبہ کے پاس سے گزرے تو وہاں یثرب (مدینہ) کے چھ جوانوں کی جماعت پائی جن میں حضرت عشراء کے صاحبزادے عوف بھی تھے، یہ سب اسلام لے آئے۔

جب یہ حضرات مدینہ واپس گئے تو اسلام وہاں پھیلایا۔ یہاں تک کہ انصار کے گھروں میں سے کوئی گھر نہ رہا جہاں رسول اکرم ﷺ کا تذکرہ نہ پہنچا ہو اور تب حضرت عشراءؓ بھی مسلمان ہوگئیں۔

اُم السبعۃ:

یعنی ''سات مبارک مردوں کی ماں''۔ ابن حجرؒ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عشراءؓ کی ایک ایسی خصوصیت ہے کہ جو اور کسی میں نہیں پائی جاتی اور وہ یہ کہ حضرت عشراءؓ واحد وہ صحابیہ ہیں جن کے سات بیٹوں کو بدری صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان عشراءؓ کے بکیر والی اولاد کے بارے میں انصار پر بڑا فخر کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدر میں چار بھائی اس طرح اور کوئی شریک نہیں ہوئے۔

(الاصابہ، ج:۴، ص:۳۵۳)۔ اس فخر سے زیادہ اور کیا اکرام ہوسکتا ہے۔

بدر میں کارنامے:

حضرت عفراءؓ کے فرزندوں میں سے سب نے بدر میں بہت اچھے کارنامے انجام دیئے۔ ابتداء ہی میں ان کے تین بیٹے مبارزت کے لیے نکلے۔ مشرکین نے ان کو زیادہ خیال نہ کیا تو عوف بن عفراء اس وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے اور عرض کی "یارسول اللہ ﷺ! اللہ کو اپنے بندے سے کیا چیز پسند ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کا دشمن میں ہاتھ ڈالنا کہ جب وہ خود زرہ سے خالی ہو۔" گویا بہادری سے لڑے تو عوفؓ نے زرہ پھینک ڈالی اور موت کی پرواہ کیے بغیر میدانِ کارزار میں کود پڑے، تب تک لڑے جب تک کہ اپنے پروردگار سے شہادت کی حالت میں نہ جاملے۔ عوفؓ کے دونوں سگے بھائی معوذ اور معاذ ابوجہل کے قتل میں شریک ہوگئے۔ صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کون ہے جو پتا کر آئے کہ ابوجہل نے کیا کہا اور وہ کیا کر رہا ہے؟" اس جاسوسی کی غرض سے ابن مسعودؓ گئے، دیکھا تو عفراءؓ کے دونوں فرزندوں نے اس کو مار مار کر بری حالت کر ڈالی تھی۔ ابن مسعودؓ نے آگے بڑھ کر ٹھوڑی سے پکڑا اور پوچھا "کیا تو ابوجہل ہے" ابوجہل نے کہا "ایسے آدمی کو اس کی قوم ہی قتل کرے، کاش کوئی مجھے کھیتی باڑی کرنے والے کے علاوہ مجھے قتل کرتا۔ (یعنی کوئی مجھے قتل کرتا جو بڑا جنگجو ہوتا، نہ کہ کھیتی باڑی کرنے والے لڑکے)۔ عفراء کے بیٹے کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے اور عرب اس کو گھٹیا کام سمجھتے تھے۔ ابن مسعودؓ نے بڑھ کر اس تکبر کا کام تمام کردیا۔

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں سے معوذ شہید ہوئے اور ان کے سرہانے کھڑے ہو کر حضور ﷺ نے فرمایا: عفراءؓ کے دونوں بیٹوں پر اللہ رحم فرمائے۔ پس وہ دونوں اس اُمت کے فرعون اور کفر کے سردار کے قتل میں شریک ہوئے۔ دریافت کیا گیا ان کے ساتھ اور کون تھا (اس قتل میں شریک)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ملائکہ اور ابن مسعودؓ بھی اس قتل میں شریک ہوئے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس غزوہ میں عفراءؓ کے تین جگر گوشے عاقلؓ، عوفؓ اور معوذؓ شہید ہوئے۔ عوف اور معوذ دونوں ایک ہی باپ سے تھے۔

حضرت عفراءؓ کا ایمانی موقف:

حضرت عفراءؓ کا اپنے جگر گوشوں کی شہادت پر عجیب موقف دیکھ کر تعجب ہوتا ہے اور ان کے ایمان کی مضبوطی حیرت زدہ کردیتی ہے۔ جب ان کے تین سپوت شہید ہوگئے تو وہ چل کر حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں اور عرض کرنے لگیں: "یارسول اللہ ﷺ بقی شر ولدی"۔ (اے اللہ کے رسول ﷺ! میری اولاد میں سے جو بدبخت ہیں وہ باقی رہ گئے؟) حضور ﷺ نے فرمایا: "نہیں، ایسا نہیں ہے۔" گویا وہ چاہتی تھیں کہ ان کے تمام فرزند اللہ کی راہ میں شہادت پائیں۔ اور انہوں نے باقی رہنے والوں کے حق میں حضور ﷺ کی گواہی حاصل کرلی۔ کیا ہی عظیم ہستیاں تھیں۔

اُم المومنین کی دلجوئی:

اُم المومنین حضرت سودہؓ کے ہاں حضرت عفراءؓ کا بلند اور اچھا مرتبہ تھا۔ علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ عفراءؓ کے صاحبزادوں کے چلے جانے کی وجہ سے وہ ان کی غم خواری میں بہت مدد کرتی تھیں۔ (تاریخ طبری، ج:2، ص:39)۔

وفات:

تاریخ ان کے دیگر حالات اور وفات کے بارے میں خاموش ہے۔

رضی اللہ عنہا

بچوں کا صفحہ

قسط نمبر 2

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

ع خان، لاہور

نبی اکرم ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کی شادی حضرت عثمان غنیؓ سے ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ کا داماد ہونے کی حیثیت سے آپؓ کو بہت عزت ملی۔ جنگِ بدر کی روانگی کے وقت حضرت رقیہؓ بہت بیمار تھیں جس کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ کو جنگِ بدر میں جانے سے منع فرمادیا تاکہ وہ گھر پر رہ کر حضرت رقیہؓ کی تیارداری اور دیکھ بھال کرسکیں۔ اس بیماری میں حضرت رقیہؓ انتقال فرماگئیں۔ حضرت رقیہؓ کے انتقال سے حضرت عثمانؓ بہت غمگین اور رنجیدہ تھے۔ کچھ عرصہ بعد نبی اکرم ﷺ نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت اُم کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمان غنیؓ سے فرمادیا۔ اس طرح آپؓ کو "ذوالنورین" یعنی "دو نوروں والا" کا لقب ملا۔ کفار کے شدید مظالم اور تکالیف پہنچانے کی وجہ سے آپؓ کو اجازت ملی کہ وہ مکہ سے ہجرت کرکے محفوظ مقام کی طرف چلے جائیں۔ اس اجازت ملنے پر حضرت عثمان غنیؓ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ حبشہ کو ہجرت فرماگئے۔ جب نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی تو حضرت عثمانؓ بھی حبشہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرآئے۔

بیعتِ رضوان اور صلح حدیبیہ:

ہجرت کے چھٹے سال نبی اکرم ﷺ نے عمرہ کا ارادہ فرمایا اور بہت سے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف چلے۔ کفار کو پتا چلا تو انہوں نے عمرہ کے ارادے سے آئے ہوئے نبی اکرم ﷺ کے اس قافلے کو مکہ کے باہر روک دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے مناسب خیال کیا کہ کسی کو بھیج کر یہ بات واضح کردی جائے کہ یہ قافلہ جہاد کے ارادے سے نہیں بلکہ عمرہ کے ارادے سے آیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس مقصد کے لئے حضرت عثمان غنیؓ کا انتخاب فرمایا کیونکہ آپؓ کے قبیلے کی ایک کثیر تعداد مکہ میں آباد تھی۔ اُن لوگوں کا اپنے قبیلے اور اہلِ قریش میں اور حضرت عثمان غنیؓ کے لیے، ابھی بھی بے حد احترام کا جذبہ موجود تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ مکہ تشریف لے گئے اور کفار کو اس بات پر تیار کرنے کی پوری کوشش فرماتے رہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ اور ساتھ آئے ہوئے صحابہ کرامؓ کو عمرہ کرنے دیں۔ اس کوشش میں حضرت عثمان غنیؓ کو چند دن لگ گئے۔ اس دوران کفار نے خبر اڑادی کہ حضرت عثمان غنیؓ کو قتل کردیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ اس بات پر بہت رنجیدہ ہوئے اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر حضور اکرم ﷺ نے بیعت رضوان لی کہ قافلے میں موجود مسلمان کفار کے ساتھ تب تک لڑیں گے جب تک قافلے کا ایک بھی مسلمان زندہ ہے۔ بعد میں یہ پتا چلا کہ یہ خبر جھوٹی ہے اور حضرت عثمان غنیؓ بھی تشریف لے آئے۔ پھر صلح حدیبیہ لکھی گئی جو فتح مکہ کا سبب بنی۔

خلافت:

حضرت عمر فاروقؓ نے چھ اکابر صحابہ اکرم کی کمیٹی بنائی کہ میرے بعد تین دن کے اندر اندر ان میں سے ایک صحابیؓ کو باہمی مشاورت سے خلافت کے لئے چن لینا۔ چھ صحابہ کرامؓ کے نامِ مبارک یہ ہیں: حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت طلحہؓ۔ آخری چار حضرات، حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے حق میں باری

باری دست بردار ہو گئے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت عثمان غنیؓ نے فیصلہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے سپرد فرما دیا۔ انہوںؓ نے تمام صحابہ کو مسجد نبوی ﷺ میں جمع فرمایا اور ایک مختصری تقریر کے بعد خلافت کا فیصلہ حضرت عثمان غنیؓ کے حق میں دے دیا۔ سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اسی مسجد میں خود بیعت فرمائی، اُن کے بعد حضرت علیؓ نے بیعت کی اور پھر تمام صحابہ کرامؓ بیعت کے لئے آگئے۔

حضرت عثمان غنیؓ نے تقریباً ساڑھے بارہ سال خلافت کی۔

حضرت عمر فاروقؓ کے زمانۂ خلافت میں اسلامی مملکت کی سرحدیں بڑی تیزی سے پھیل رہی تھیں۔ حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت میں یہ سلسلہ برابر جاری رہا اور اسلامی مملکت کی سرحدیں مزید پھیلتی چلی گئیں۔

اسلامی تاریخ کا پہلا بحری بیڑہ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں وجود میں آیا، جس کی وجہ سے اسلامی افواج مضبوط ہوئیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں قرآن کی تدوین کا کام نبی اکرم ﷺ کی فرمائی ہوئی ترتیب کے مطابق مکمل ہو گیا تھا، بعد میں حضرت عمر فاروقؓ اور پھر حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں جب اسلامی سلطنت کی حدیں عرب سے نکل کر دور دور تک پھیل گئیں تو حضرت عثمانؓ نے محسوس کیا کہ غیر عرب مسلمانوں کے لئے بغیر اعراب کے قرآن پاک کو پڑھنا مشکل ہے کیونکہ ان لوگوں کی زبان عربی نہیں ہے۔ اس بات کو محسوس کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ کی زیرِ نگرانی قرآن پاک پر اعراب لگوائے گئے۔ عربی زبان نہ جاننے والوں کے لیے بہت بڑی سہولت ہو گئی، ان کے لئے قرآن پاک سیکھ کر پڑھنا آسان ہو گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے مسجد نبوی کے اردگرد کی زمین خرید کر مسجد نبوی ﷺ کی توسیع بھی کروائی۔

طالبات کے لیے خوشخبری

صقارہ گرلز سائنس اینڈ کامرس کالج کا اجراء

علاقہ ونہار میں نظامِ تعلیم میں ملٹی میڈیا متعارف کروانے والا پہلا ادارہ

کورسز:۔ F.Sc (Pre.Med)، F.Sc(Pre-Eng)، I.C.S.، I.Com، F.A.(I.T.)

نمایاں خصوصیات

تدریس بذریعہ لیکچر سسٹم + ملٹی میڈیا

M.Sc، M.Phil تجربہ کار اساتذہ

ماہانہ ٹیسٹ کا خصوصی انتظام

سٹوڈنٹس کے لیے Presentation اور Saminars کا انعقاد

بورڈ کے امتحانات اور پروفیشنل ڈگری کی منظم اور بھرپور تیاری

ہاسٹل کی سہولت، بہترین Mess، اعلیٰ سیکورٹی اور جنریٹر کی سہولت کے ساتھ

لڑکیوں کی دینی ماحول میں بہترین کردار سازی

گولڈن پیکیج:۔

میٹرک میں 90% سے زائد نمبرز پر مفت تعلیم

85% سے زائد نمبرز پر نصف فیس

حافظ قرآن کے لیے خصوصی رعایت

صقارہ گرلز سائنس اینڈ کامرس کالج، دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال۔

رابطہ: 0341-0642642، 0332-8384222، 0543-562200

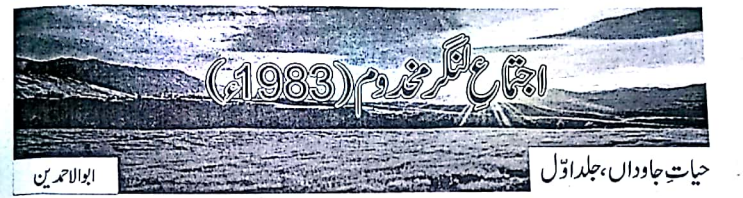

اجتماعِ لنگر مخدوم (1983ء)

حیاتِ جاوداں، جلد اوّل

ابوالاحمدین

ابتدائی دور میں حضرت جیؒ لنگر مخدوم کے اجتماعات میں لانے کی ذمہ داری حضرت امیر المکرم سرانجام دیتے رہے لیکن آخری چند سالوں میں یہ ذمہ داری ناظمِ اعلیٰ کے سپرد تھی۔ زہے نصیب کہ سالانہ اجتماع لنگر مخدوم 1983ء کے لئے یہ سعادت راقم کے حصہ میں آئی۔ حضرت جیؒ 19 اکتوبر بروز بدھ صبح کی چائے کے بعد حسب معمول حویلی میں تشریف فرما ہوئے۔ مقامی لوگوں سے بات چیت ہوئی، گھریلو امور پر ہدایات دیں اور عزم سفر فرمایا۔

ابھی چکڑالہ کے مضافات میں ہی تھے کہ اچانک یاد آیا کہ ایک اہم مقدمہ کی فائل مسجد میں رہ گئی ہے جو حضرت جیؒ سے رہنمائی کے لئے راقم ساتھ لایا تھا۔ ایک ساتھی کو ہدایت کی کہ وہ یہ فائل لے کر میانوالی پہنچے۔ اس مقدمہ میں چھ ملزمان کو سزائے موت ہوئی تھی جن میں سے دو کے بارے میں راقم تردّد کا شکار تھا۔

چکڑالہ میں مقدمہ کی فائل حضرت جیؒ کی خدمت میں پیش کی تو آپؒ نے فرمایا، دو آدمی بے گناہ نظر آ رہے ہیں لیکن لنگر مخدوم میں یہ معاملہ مشائخؒ کی خدمت میں بھی پیش کیا جائے۔ اس ضمن میں آپؒ نے فرمایا کہ قاضی، ظاہر کا مکلف ہے۔ اس کے سامنے مقدمہ کی فائل اور گواہوں کی شہادت کی روشنی میں جو صورت واضح ہو اس کے مطابق فیصلہ کرے، اصل صورت حال اس سے مختلف ہو تو وہ قابل مواخذہ نہ ہوگا۔ جب مشائخؒ کی خدمت میں یہ مقدمہ پیش کیا گیا تو انہوں نے بھی سزائے موت پانے والوں میں سے دو آدمیوں کی بے گناہی کی تصدیق فرمائی۔

حضرت جیؒ کی نگاہِ بصیرت اور مشائخؒ کی رہنمائی سے حقیقت حال تو واضح ہو چکی تھی لیکن اب اس فیصلے کا کیا کیا جائے جس کے تحت دو بیگناہ پھانسی کے پھندہ پر جھول جاتے۔ چند روز بعد مقدمہ کے چشم دید گواہ اور مقتولین کے وارث نے ان دو میں سے ایک شخص کی برأت کا اعتراف کرتے ہوئے اسے معاف کر دیا جبکہ دوسرے شخص کی سزا پر عمل کرنے میں قانونی سقم حائل ہو گئے۔ اس طرح یہ دونوں بیگناہ سزائے موت سے بچ گئے۔

حضرت جیؒ کے حوالے سے مقدموں کی بات چل نکلی ہے تو یہاں ایک اور مقدمہ کا ذکر بھی کر دیا جائے جس میں سزائے موت کے بعد ایک بے گناہ شخص کی برأت ہوئی۔ بٹ خیلہ کے یوسف کو ناکردہ قتل میں سزائے موت ہوئی جس کی توثیق بھی ہو گئی۔ راقم کو اس مقدمہ کی فائل پڑھنے کا موقع ملا تو سریحاً انصافی نظر آئی۔ نظرِ ثانی کے لئے ایوان صدر تک کوشش کی گئی لیکن وزارت قانون نے راقم کی رائے سے اتفاق نہ کیا۔

اسی مقدمہ کے سلسلہ میں ایک روز ایک لمبا تڑنگا نوجوان راقم کے دفتر میں آیا اور کہنے لگا کہ وہ لوگ میانوالی کے ایک پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جنہوں نے ایک وظیفہ دیا ہے اور یقین دلایا ہے کہ تمہارے ماموں بے گناہ ہیں اور وظیفہ مکمل ہونے تک بری ہو جائیں گے۔ اسے پیر صاحب کا نام یاد تھا نہ میانوالی میں ان کے گاؤں کا نام۔ وظیفہ پوچھنے پر اس نے جو تحریر پیش کی اسے دیکھ کر خوشگوار تعجب ہوا کہ یہ حضرت جیؒ کی تحریر تھی البتہ مسلسل جیب میں پڑا رہنے کی وجہ سے کاغذ بوسیدہ ہو رہا تھا۔ نوجوان کی اجازت سے راقم نے وہ کاغذ خود رکھ لیا اور اسے ایک نئے کاغذ پر وہی تحریر دوبارہ لکھ دی۔ کچھ

عرصہ بعد اطلاع ملی کہ صدر مملکت نے یوسف کی سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کر دیا ہے جو بعد میں مکمل برأت کی صورت میں ختم ہوئی۔

قارئین کے لئے حضرت جیؒ کی اس تحریر کا عکس پیش ہے۔

(مکان پاک ہو قدرے خوشبو چھڑک دینا ایک لاکھ 91 ہزار بار یہ پورا کرنا جتنے دنوں میں ہو جائے یقیناً اِنْ شَاءَ اللہ چھوٹ جائے گا یَا خَلِیْمُ یَا عَلِیْمُ یَا عَظِیْمُ)

چکڑالہ سے میانوالی تک سنگل روڈ تھی اور جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی۔ کراسنگ کے لئے سڑک سے نیچے اترنا پڑتا۔ جھٹکے لگنے سے حضرت جیؒ کو اکثر اختلاجِ قلب کی شکایت بھی ہو جاتی۔ اس عالم میں آپؒ کی گاڑی چلانا گویا دودھ سے لبریز پیالے کے ساتھ سفر کرنے کے مترادف تھا کہ یہ پیالہ کہیں چھلک نہ جائے۔ سفر میں حضرت جیؒ اکثر وقت حالتِ مراقبہ میں رہتے، اس سفر کا بیشتر حصہ مکمل سکوت میں گزرا۔

رات کا قیام میانوالی میں تھا۔ یہاں ساتھیوں کی ایک کثیر تعداد حضرت جیؒ کی آمد کی منتظر تھی۔ رات گئے تک احباب آتے رہے، اس طرح اذکار شب میں اجتماع کی صورت پیدا ہو گئی۔ 20 اکتوبر صبح آٹھ بجے لنگر مخدوم کے لئے روانگی ہوئی۔ رخصت کرنے والوں میں کرنل سلطانؒ بھی تھے جو رات کے پچھلے پہر میانوالی پہنچے تھے۔ حضرت جیؒ نے ایک نگاہ کرنل سلطانؒ پر ڈالی اور پھر راقم کی طرف دیکھا، کیا سلطان کے لئے جگہ بن جائے گی؟ اس طرح حضرت جیؒ کی شفقت سے کرنل سلطانؒ بھی آپؒ کی معیت میں سفر نصیب ہوا۔

خوشاب کے قریب ایک بے آباد جگہ پر حضرت جیؒ نے گاڑی روکنے کے لئے کہا۔ خادمِ خاص ملک احمد نواز نے پانی کا برتن کچھ فاصلے پر جھاڑیوں میں رکھ دیا۔ آپؒ عصا کی نوک سے کچھ دیر تک زمین کی سخت سطح کریدتے رہے تا کہ وہ نرم ہو جائے اور پیشاب کے چھینٹے نہ اڑیں۔ حضرت جیؒ ساتھیوں کو اکثر پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کی ہدایت فرمایا کرتے کہ یہ عذابِ قبر کا موجب ہوتے ہیں۔

خوشاب کے بعد راقم نے ازخود ڈاکٹر عظمت بُٹر کو ڈرائیونگ کے لئے کہا تا کہ اس کو بھی یہ سعادت مل جائے۔ قریباً دس بجے سرگودھا پہنچے تو یہاں بھی کثیر تعداد میں ساتھی موجود تھے۔ ڈھائی بجے لینڈ کروزر پر لنگر مخدوم کے لئے روانگی ہوئی لیکن کچھ ہی دور جا کر جھٹکوں کی وجہ سے آپؒ دوبارہ راقم کی گاڑی میں تشریف لے آئے۔ قریباً چار بجے لنگر مخدوم پہنچے اور سیدھے حضرت سلطان العارفینؒ کے مرقد پر حاضر ہوئے جو آپؒ کا ہمیشہ کا معمول تھا۔ اس مرتبہ حاضر ہوئے تو حضرت سلطان العارفینؒ نے ابتلاء کا دور ختم ہونے پر مبارک دی۔ یہ لنگر مخدوم میں حضرت جیؒ کے دور کا سب سے بڑا اجتماع تھا جس میں ساتھیوں کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے زائد تھی۔

پنڈال کے دائیں حصہ میں ساتھیوں کے درمیان آپؒ کی چارپائی ہوا کرتی۔ اجتماعی پروگرام، نماز اور ذکر کے علاوہ باقی اوقات میں احباب کی ایک بڑی تعداد آپؒ کی خدمت میں حاضر رہتی۔ جن ساتھیوں کو قریب جگہ مل جاتی وہ گفتگو سے بھی مستفید ہوتے لیکن دور بیٹھے ہوئے احباب محوِ مراقبہ رہتے اور صحبتِ شیخ سے فیضیاب ہوتے۔

نمازِ جمعہ سے قبل قریباً 11 بجے اسی طرح احباب حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ راقم کو اس قدر دور جگہ ملی کہ صرف زیارت ہی ممکن تھی۔ اسی اثناء میں دیکھا کہ حضرت جیؒ نے خادم خاص ملک احمد نواز سے وضو کے ساتھ پانی طلب کیا ہے۔ دل میں حسرت اٹھی کہ اگر اس وقت حضرت جیؒ کے قریب ہوتا تو آپؒ کے باقی ماندہ پانی کے لئے ملک احمد نواز سے درخواست کرتا۔ حضرت جیؒ نے دوا لینے کے بعد پانی کا گلاس ملک احمد نواز کو تھماتے ہوئے کچھ کہا۔ ملک صاحب گلاس لئے سیدھے راقم کے پاس پہنچے اور فرمایا!" حضرت جیؒ نے بھجوایا ہے"۔

تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض ہے کہ ایک مرتبہ روضۂ اطہر ﷺ کی جالی مبارک کے ساتھ بیٹھے ہوئے پیاس کی شدت حد سے بڑھی تو پانی مانگ لیا اور ایک بار نہیں، دو بار مانگا۔ درخواست تو مراقبہ کی حالت میں کی گئی تھی لیکن دونوں مرتبہ روضۂ اطہر ﷺ کے خادم خاص نے، جن کا اسم گرامی حسن تھا، ازخود زم زم کا گلاس پیش کیا۔ اس دنیا میں آپ ﷺ کی طرف سے پیاس کا درماں، حشر میں پیاسا

کیونکر چھوڑیں گے جبکہ آپ ﷺ ہی ساتھی کوثر ہوں گے!

جمعہ کے خطاب سے قبل مسجد کا وسیع احاطہ ساتھیوں سے بھر چکا تھا۔ حضرت جیؒ خطاب کے لئے تشریف لائے تو سرخ اور سفید، چھوٹے چھوٹے خانوں والا عربی رومال سر پر باندھ رکھا تھا۔ جمال ایسا کہ خطاب کے دوران چہرہ مبارک پر نگاہ نہ ٹھہرتی تھی۔ اس قدر انوارات کا فوّر تھا کہ شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو محسوس نہ کر پایا ہو، جس کے لئے کشف کی ضرورت تھی نہ کوئی خاص نظر درکار تھی۔ یہ حضرت جیؒ کا خصوصی خطاب تھا۔

خطاب جمعۃ المبارک:

ایک حکم یا قانون کے شروع میں جس طرح مقصد بیان کیا جاتا ہے، اسی طرح حضرت جیؒ نے اپنے خطاب کے شروع میں اس کا مقصد بیان فرماتے ہوئے ایک فتنہ سے متنبہ فرمایا جو اس دور کا سب سے بڑا مفسد عقائد ہے اور اس کی ہلاکت خیزی روز افزوں ہے، یعنی فتنۂ انکارِ حیاتِ النبی ﷺ۔ حضرت جیؒ دیکھ رہے تھے کہ ایمان بالرسالت کو مجروح کرنے کے لئے قادیانیت کے بعد یہ دوسرا بڑا حملہ تھا جس کے تدارک کے لئے آپؒ نے حیاتِ مبارکہ کے آخری دور میں "حیاتُ الانبیاءؑ" اور "حیاتُ النبی ﷺ" کے نام سے معرکہ آرا کتب لکھیں اور اس مسئلہ کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے اپنے آخری خطاب کا موضوع بنایا۔ خطاب کے آخر میں حضرت جیؒ نے سلسلۂ عالیہ کے مستقبل کے بارے میں اہم ہدایات بھی دیں۔ آپؒ کا یہ خطاب یہاں مَن وعَن پیش کیا جاتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ. اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیْنَۃِ خَرَقَھَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَھَا لِتُغْرِقَ اَھْلَھَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا اِمْرًا ○ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ○ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْھِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ○ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَہٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَکِیَّۃًۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا نُّکْرًا ○ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ○ قَالَ اِنْ سَاَلْتُکَ عَنْ شَیْءٍۢ بَعْدَھَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا ○ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓی اِذَآ اَتَیَآ اَھْلَ قَرْیَۃِ ۨ اسْتَطْعَمَآ اَھْلَھَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْھُمَا فَوَجَدَا فِیْھَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَہٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْہِ اَجْرًا ○ قَالَ ھٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِکَ ۚ سَاُنَبِّئُکَ بِتَاْوِیْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْہِ صَبْرًا ○ اَمَّا السَّفِیْنَۃُ فَکَانَتْ لِمَسٰکِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَھَا وَکَانَ وَرَآءَھُمْ مَّلِکٌ یَّاْخُذُ کُلَّ سَفِیْنَۃٍ غَصْبًا ○ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَکَانَ اَبَوٰہُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَآ اَنْ یُّرْھِقَھُمَا طُغْیَانًا وَّکُفْرًا ○ فَاَرَدْنَآ اَنْ یُّبْدِلَھُمَا رَبُّھُمَا خَیْرًا مِّنْہُ زَکٰوۃً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ○ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَکَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَۃِ وَکَانَ تَحْتَہٗ کَنْزٌ لَّھُمَا وَکَانَ اَبُوْھُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنْ یَّبْلُغَآ اَشُدَّھُمَا وَیَسْتَخْرِجَا کَنْزَھُمَا ۖ رَحْمَۃً مِّنْ رَّبِّکَ ۚ وَمَا فَعَلْتُہٗ عَنْ اَمْرِیْ ؕ ذٰلِکَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْہِ صَبْرًا ○

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علت ہائے ما!
اے دوائے نخوت و ناموسِ ما
اے کہ افلاطون و جالینوسِ ما
تہی دستاں قسمت راچہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از چشمہ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

میں ایک مسئلہ بیان کرتا ہوں اور باقی کچھ ہدایات ہیں جماعت کے لئے۔ مسئلہ اس وقت ہے تو کفر و اسلام کا، لیکن بعض لوگوں

نے کہا ہے کہ فروعات سے ہے۔ مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ کے متعلق میں کچھ عرض کروں گا، یہ بہت چل چکا۔ یہ ساتھیوں تک پہنچانا بہت ضروری ہے۔ اس سے پہلے یہ سمجھ لو کہ سبق کی طرح ہوگا، تقریر کی طرح نہیں۔ ہم اعتقادات میں، عقائد کے جتنے مسائل ہیں، اہل سنت والجماعت اعتقاد کے تمام مسائل میں اشاعرہ کے تابع ہیں، امام ابوالحسن اشعریؒ کے ہم تابع ہیں، مقلد اُن کے ہیں۔ عقیدہ کے جتنے مسائل ہیں، جن مسائل کا تعلق عقائد کے ساتھ ہے وہ اصولی مسائل ہیں جن پر مدار نجات کی ہے۔ ایسے مسائل میں ہم امام ابوالحسن اشعریؒ کے مقلد ہیں اور فروعات میں ہم تابع ہیں اور مقلد ہیں امام اعظم ابوحنیفہؒ کے، یہ مسئلہ یاد رکھیں۔

پہلے یہ سمجھو، امام ابوالحسن اشعریؒ ہیں کون؟ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ مدینہ کے گورنر بھی رہ چکے ہیں، جلیل القدر صحابی ہوئے ہیں حضور ﷺ کے، یہ ان کی اولاد میں سے ہیں۔ اشعری قبیلہ کے ہیں۔ زہد وورع وتقویٰ کی یہ حالت ہے کہ بیس سال مغرب کے وضو کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی۔ ساری رات اللہ کے ذکر میں مشغول، کتابوں کی درس وتدریس یا ان کا مطالعہ، اس کے بعد توکل علی اللہ اس قدر تھا کہ ان کے دادا یا جدِ امجد کی بصرہ کے نواح میں کسی چھوٹی سی بستی میں کچھ اراضی تھی جو وہ اپنی اولاد کے لئے چھوڑ گئے تھے۔ اس بستی سے جو غلہ آتا تھا، اسی پر یہ اکتفا کرتے۔ ان کے حق میں بہت سی باتیں ہیں جو میں نے بعد میں بیان کرنی ہیں۔

ان کے حق میں جو سب سے عمدہ کتاب لکھی گئی، ان کے بارے میں جو بہتان تراشی ان کے بعد میں ہوئی "تبیین کذب المفتری" علمائے کرام نے لکھا ہے کہ کوئی اہل سنت عالم اس کتاب سے خالی نہ ہو۔ یہ کتاب اس علاقے میں ملتی نہیں تھی۔ نیوی کے ہمارے کچھ ساتھی مصر گئے۔ میں نے ان سے کہا، پرانے کتب خانوں سے تلاش کریں۔ وہ کچھ کتابیں لے آئے جو اس ملک میں ملتی ہی نہیں تھیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھی۔ اس میں یہ لکھا ہے کہ کل سترہ درہم سارے سال میں ان کا خرچ تھا یعنی ایک درہم اور دوسرے کا کچھ حصہ مہینہ میں وہ خرچ کرتے تھے۔ توکل علی اللہ اس قدر تھا!

مذہباً، ابتدا میں یہ معتزلہ تھے۔ عقیدہ ان کا معتزلہ والا تھا۔ خواب میں کئی بار نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا "مذہب وہ بہتر ہے جو نقلی ہے، مجھ سے نقل ہو کر پہنچا، عقلیات کو چھوڑ دیں"۔ چونکہ معتزلہ کا مذہب زیادہ تر عقلیات پر مبنی ہے، عقلی دلائل پیش کرتے ہیں، فلسفی اور منطقی۔ اگر یہ فلسفیوں اور معتزلہ کا خبیث ٹولہ نہ ہوتا تو دینی علوم میں فلسفہ اور منطق کا رواج نہ ہوتا۔ یہ پہلے اُس پر تھے۔ نبی کریم ﷺ کی کئی بار زیارت سے مشرف ہونے کی وجہ سے، حضور ﷺ کے ارشاد کے بعد یہ اہل سنت والجماعت کے مذہب پر آگئے۔ اس کے بعد یہ تبحرِ الٰہی تھے باطل فرقوں کے واسطے۔ ایسا ہوا کہ عذابِ الٰہی نازل ہو گیا باطل فرقوں کے واسطے۔ ننگی تلوار تھے غیر مذہبوں کے واسطے۔

اُس دور میں انہوں نے ایک کتاب تصنیف فرمائی "مقالات اسلامیین باختلاف المصلین"۔ وہ بھی اِس ملک میں نہیں ملتی تھی، بڑی کتاب ہے دو جلدوں میں۔ انہوں نے چھوڑا کوئی نہیں، اُس دور میں جو مذہب نکلے ہیں، تمام کے تمام انہوں نے نقل کئے ہیں۔ مصر سے ایک ساتھی لے آیا۔ اُن کے حالات، میں اس بات پر حیران ہوں جس کی وجہ سے میں نے یہ بات شروع کی ہے۔

امام ابوالحسن اشعریؒ کے اس تذکرہ سے دراصل میرا مقصد ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ اُس دور میں سب سے زیادہ زور فرقہ جہمیہ اور فرقہ کرامیہ کا تھا اور فرقہ کرامیہ کے لئے یہ ایک عذابِ الٰہی کی مانند تھے۔ کرامیہ ان سے تنگ آگئے اور مجبور ہو گئے۔ آخر ان کے ذریعے انہیں زہر دے کر شہید کر دیا۔ کرامیہ کے بارے میں مقالات کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ کرامیہ فرقہ سلطان محمود غزنوی کے پاس وفد کی صورت میں پہنچا اور انہوں نے شکایت کی یہ شخص (ابوالحسن اشعریؒ) ہمیں بے ایمان اور بدعتی کہتا ہے حالانکہ یہ خود کفریہ عقائد رکھتا ہے۔

سلطان محمود غزنوی نے پوچھا کہ اس کا ایسا کیا عقیدہ ہے؟

بصرہ، عراق اور ایران اُس زمانے میں سلطان محمود کی حکومت میں شامل تھے۔ اس کی بڑی وسیع حکومت تھی۔ انہوں نے کہا کہ اس کا عقیدہ یہ ہے کہ ہمیں بدعتی کہتا ہے، بدمذہب کہتا ہے اور اپنا عقیدہ کفریہ ہے جو بدعت سے بڑھ کر ہے۔ کیا عقیدہ رکھتا ہے؟ یہ شخص کہتا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ جس وقت اس دنیوی زندگی کو ختم کر کے دنیا سے رخصت ہوئے، اس کے بعد وہ نبی نہیں رہے اور نہ ہی رسول رہے۔ پہلے بھی یہ حقیقی نبی نہیں، حکمی نبی تھے۔ (العیاذ باللہ)

چند دن قبل ایک مولوی صاحب سے اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو اس نے کہا "حکم شے، اس کا قائم مقام ہوتا ہے"۔ میں نے کہا غلط ہے۔ اس نے مجھے کہا کہ عورت کو طلاق مل جائے تو تین حیض تک وہ حکم نکاح میں ہوتی ہے، عدت جو ہے وہ حکم نکاح میں ہے۔ میں نے کہا آپ کو مغالطہ ہوا ہے، آپ کو فقہ کی سمجھ نہیں۔ طلاق کے بعد عورت اس شخص کی منکوحہ نہیں رہتی۔ بیوی کے متعلق جتنے احکام اس سے قبل تھے، وہ ختم ہو گئے۔ خاوند اس کے ساتھ بیٹھ نہیں سکتا، وطی نہیں کر سکتا، اُس کے ساتھ باقاعدہ الگ مکان میں نہیں رہ سکتا، عورت اس کے پاس رہ نہیں سکتی۔ عدت برأت رحم ہے، ممکن ہے کہ اس کے پیٹ میں کچھ ہو۔ یہ نکاح کے واسطے نہیں دی گئی۔ عدت برأت رحم کی ہے، اس لئے نہیں کہ ابھی نکاح کا حکم باقی ہے۔ میں نے کہا، یہ قاعدہ آپ نے کہاں سے اخذ کیا کہ حکم شے، شے کا قائم مقام ہوتا ہے؟

غرضیکہ اس وفد نے سلطان محمود سے کہا کہ یہ شخص اس بات کا قائل ہے کہ آقائے نامدار جناب محمد رسول اللہ ﷺ دنیا سے برزخ منتقل ہو گئے، رسالت بھی ختم ہو گئی، نبوت بھی ختم ہو گئی۔ اگر یہ عقیدہ ہو تو محمد ﷺ کے یہاں سے انتقال کر کے برزخ میں جانے کے بعد کوئی زندگی ان کو حاصل نہیں۔ نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں، نہ بولتے ہیں، نہ جواب دیتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

اہل سنت والجماعت ہی نہیں، تمام کے تمام، سوائے معتزلہ کے، اس بات سے متفق ہیں اور اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ جب روضۂ اطہر پر ﷺ پر صلوٰۃ وسلام عرض کیا جائے تو آپ ﷺ اس کا جواب دیتے ہیں اور جو درود شریف دُور سے پڑھا جاتا ہے تو اسے ملائکہ آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچاتے ہیں۔ یہ اتفاقی مسئلہ ہے اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ اب آکر اختلاف پیدا کیا گیا ہے۔

اس موضوع پر ایک رسالہ لکھ کر میں نے حافظ صاحب کو دیا ہے جو عنقریب طبع ہو جائے گا۔ میں نے اس میں لکھا ہے، دنیا بھر میں کوئی ایک مفسر پیدا کر دو جو اس عقیدہ پر ہو کہ روضۂ اطہر ﷺ پر جا کر صلوٰۃ و سلام پڑھیں تو آپ ﷺ نہیں سنتے۔ اسے چیلنج کیا ہے کہ کسی ایک مفسر، کسی ایک محدث، ایک شارح محدث، متکلمین میں سے کوئی ایک متکلم، فقہاء میں سے کوئی ایک فقیہ، صوفیوں میں سے کسی ایک صوفی ہی کا قول پیش کر دیں جو اس کا قائل ہو کہ آپ ﷺ کے روضۂ اطہر پر جا کر صلوٰۃ وسلام پیش کیا جائے تو نہیں سنتے۔ کوئی ایسا آدمی نہ ملے گا، دیدہ باید۔ میں نے لکھا ہے، کوئی مائی کا لال طاقت رکھتا ہے تو کوئی ایک قول پیش کر دے۔

خوب سمجھ لو، موت کیا چیز ہے؟ موت کوئی عدمی چیز نہیں کہ وجود کو ختم کر دیتی ہے۔ موت ایک ..... اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ۔ موت ایک پُل ہے۔ دنیا ایک دریا ہے، سمجھ لو! اس کو عبور نہیں کر سکتے کہ آگے جائیں۔ موت ہمارے واسطے ایک پل رکھا گیا ہے کہ دنیا سے عبور کر کے آگے برزخ میں جائیں، یا اسے ایک کشتی سمجھ لو، جہاز سمجھ لو، جس پر سوار ہو کر ہم آگے جا سکیں۔ موت ابدی چیز نہیں۔ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ۔ جس طرح زندگی کو پیدا کیا اسی طرح موت کو بھی پیدا کیا۔ وہ بھی مخلوق، یہ بھی مخلوق۔

قانون یہ ہے کہ ایمان، نبوت، رسالت، علم، یہ صفات قائم بنفسہٖ نہیں کہ علیحدہ ہوں۔ مجھ میں علم ہے، میرے وجود میں ہی ہے، الگ علم نہیں کہ کہیں علیحدہ کھڑا ہو۔ میرا وجود نہ ہو، میرا علم کوئی نہیں۔ یہ صفات ایسی ہیں، رسالت، نبوت، ایمان، علم، یہ سماع، سننا، یہ چاہتی ہیں موصوف زندہ ہو۔ یہ ایسی صفات ہیں جو زندہ موصوف کی ہیں کیونکہ یہ قَائِم بِغَیْرِہٖ ہیں، بنفسہٖ

قائم نہیں، الگ نہیں۔ کسی کے ساتھ ہی پائی جاتی ہیں۔

اب امام ابوالحسن اشعریؒ پر جو سوال ہوا وہ اس وجہ سے ہوا۔ محمود غزنوی کے سامنے جب یہ چیز پیش کی گئی کہ وہ (امام ابوالحسن اشعریؒ) اس بات پر قائل ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ دنیا سے منتقل ہوئے تو ایمان بھی گیا، رسالت بھی گئی، نبوت بھی گئی، علم بھی گیا، ختم ہو گیا۔ (العیاذ باللہ)

سلطان محمود نے کہا کہ اگر یہ بات جو تم کہتے ہو درست ہے تو لَاَ قْتُلَنَّه، میں اس شخص کو قتل کر دوں گا کیونکہ یہ واجب القتل ہے، حلالِ دم۔ اس نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی توہین کی ہے۔ سلطان نے حکم دیا کہ اسے لایا جائے۔ پولیس گئی اور بصرہ سے لے آئی۔

محمود غزنوی خود بڑا عالم فاضل آدمی تھا۔ اس نے غزنی میں ایک بہت بڑا دارالعلوم قائم کیا ہوا تھا۔ بڑے علماء وہاں پڑھاتے تھے، درس دیتے تھے۔ بہت بڑا کتب خانہ اس نے قائم کیا ہوا تھا۔ ہر مذہب کی ہر قسم کی کتابیں وہاں جمع کی ہوئی تھیں۔ دیندار آدمی تھا۔ علماء کا دوست تھا۔ اولیاء اللہ کا بڑا خادم تھا۔

جب امام ابوالحسن اشعری پیش ہوئے تو سلطان نے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کی رسالت و نبوت کے متعلق آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ مجھے آپ کے متعلق یہ کچھ بتایا گیا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا "كَذَبَ عَلَيَّ النَّاقِلُ" ناقل نے جھوٹ بولا۔ میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو علی الاطلاق نبی مانتا ہوں۔

جب یہ بات مجھے پہنچی، میں نے دیکھی اور ہمارے بڑے مفتی ہیں ثقلین، جنوں اور انسانوں کے جو مفتی ہیں انہوں نے نقل کی تھی۔ یہ چیز دل میں کھٹکتی تھی کہ اتنا بڑا آدمی ہو کر، جس کے ہم مقلد ہیں، اعتقادیات میں، یہ عقیدہ اس کا ہو تو ہم نے تقلید کس لئے کرنی ہے! مجھے اس کی جستجو پیدا ہوئی۔ مولویوں نے کوئی نہیں کی۔ مجھے آخر کار "طبقات شافعۃ الکبریٰ" میں یہ چیز مل گئی۔ "مقالات ذلامی" میں مجھے یہ چیز مل گئی۔

انہوں نے فرمایا "كَذَبَ عَلَيَّ النَّاقِلُ" ناقل نے مجھ پر جھوٹ بولا۔ میں محمد رسول اللہ ﷺ کو علی الاطلاق نبی سمجھتا ہوں۔ علی الاطلاق کا مطلب کیا ہے؟ یہ نہیں کہ ازل میں نبی نہیں ہیں، یہ نہیں کہ دنیا میں نبی نہیں ہیں، یہ نہیں کہ وہ برزخ میں نبی نہیں ہیں، یہ نہیں کہ قیامت کے بعد نبی نہیں ہیں۔ میں ان کو ازل میں بھی نبی سمجھتا ہوں، دنیا میں بھی نبی سمجھتا ہوں، برزخ میں بھی نبی سمجھتا ہوں، رسول سمجھتا ہوں اور قیامت کے بعد جنت میں بھی ان کو نبی اور رسول سمجھتا ہوں۔ اور فرمایا: هُوَ حَيٌّ فِي قَبْرِهٖ۔

وہ قبر میں، برزخ میں نبی ہیں۔ ان الفاظ کی کوئی قید لگائی؟ اس واسطے کہ وہ صفات جو میں نے پہلے بیان کی ہیں، وجودِ زندہ کو چاہتی ہیں۔ اگر زندگی نہیں؟ نبی کو اپنی نبوت کے علم کا ہونا فرض ہے۔ وہ نبی نہیں جسے اپنی نبوت کا علم نہیں، وہ رسول نہیں جسے اپنی رسالت کا علم نہیں۔ مومن، مومن نہیں جسے اپنے ایمان کا پتہ کوئی نہیں۔ اس واسطے یہ صفات زندہ موصوف کو چاہتی ہیں۔ انہوں نے قید لگا دی کہ هُوَ حَيٌّ فِي قَبْرِهٖ آپ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ یہ مسئلہ مجھے ان دو کتابوں سے ملا۔ خاص طور پر جو تفصیل "طبقاتِ شافعۃ الکبریٰ" میں ملی۔ امام تاج الدین سبکی نے لکھا، عالمِ اطلاق زندہ موصوف کو یہ صفات چاہتی ہیں۔ نبی زندہ نہ ہو، زندہ نہیں نبوت کوئی نہیں، زندہ نہیں رسالت کوئی نہیں۔ (العیاذ باللہ)

یہ سمجھ لو! حیاتِ نبی ﷺ کا انکار کرنا، رسالت اور نبوت کا انکار کرنا ہے۔ آج بھی ایک ٹولہ جو یہ کہتا ہے "نبوت اور رسالت کا یہ انکار نہیں" میں کتابیں ساتھ لے کر آیا ہوں، یہاں موجود ہیں، جسے ضرورت ہو دیکھ سکتا ہے کہ "ایمان صفت، روح کی ہے"۔ اب بات یہاں تک پہنچا دی ہے، ایمان صفت روح کی ہے، بالذات۔ نبوت بالذات، کہتے ہیں صفت روح کی ہے۔ جس ٹولے کی خاطر اب میں یہ بات کر رہا ہوں، رسالت بالذات صفت روح کی ہے، علم بالذات صفت روح کی ہے۔ جس وقت روح جدا ہوا اور بدن الگ ہو گیا، گویا بدن ایک نوکر اور غلام ہے روح کا۔ جب تک وہ زندہ رہا اس وقت تک مزدوری لیتا رہا، رسالت کی، نبوت کی، ایمان کی، علم کی، اس وقت تک روح اس سے (مزدوری) لیتا رہا۔ روح اس سے جدا ہوا نوکری ختم ہوگئی، لہٰذا مزدوری ختم ہوگئی، نبوت ختم ہوگئی، رسالت ختم ہوگئی۔ سب کچھ ختم۔ (العیاذ باللہ) یہ عقیدہ آج بنایا گیا ہے۔ (میز تھپتھپاتے ہوئے کہا) اس واسطے میں نے یہ بات کی ہے۔

(جاری ہے)

سفرنامہ

غبارِ راہ

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

کھانے میں پھل بہت عجیب تھے جو یہاں نہ دیکھے، اور ہاں! گھر کے صحن میں آموں کے درخت پھلوں سے لدے کھڑے تھے۔ منصور بتانے لگے کہ ان پر سارا سال پھل آتا رہتا ہے۔ ایک پھل ختم ہو تو دوسرا پھل لگنا شروع ہو جاتا ہے۔ آم بہت ہی میٹھا تھا۔ میں نے معذرت کر لی کہ نزی شوگر ہی ہے اس میں، تو ان کی اہلیہ کچا آم توڑ لائیں اور کاٹ کر دے دیا جو بالکل کھٹا نہ تھا، ہلکا میٹھا تھا۔ آم کے ساتھ دوسرے پودے پہ خوبصورت لیموں لگے ہوئے تھے۔ منصور صاحب کا گھر بھی کم از کم چار کروڑ سے زائد کا ہوگا۔ یہ لوگ گھروں پہ بہت دولت صَرف کرتے ہیں اور بہت ہی خوبصورت گھر بناتے ہیں۔

30 جنوری 1992ء:

ناشتہ کے بعد ہی گھر سے نکل پڑے کہ میزبان کی بیٹی کے ہاں دوپہر کا کھانا تھا اور پھر عید میلاد میں شرکت کے لیے جانا تھا۔ اس کا گھر شہر کے ایک طرف گلبرگ آسا علاقے میں تھا۔ اگرچہ بنکاک کی سڑکیں بہت کشادہ اور صاف ستھری ہیں اور آنے جانے کی الگ الگ، مگر پھر بھی گاڑیاں اس قدر ہیں کہ ٹریفک جام ہو جاتا ہے۔ شہر کے درمیان سے دریا گزرتا ہے جس پر متعدد خوبصورت پل بنے ہوئے ہیں۔ ایک خوبصورت مسجد دیکھی۔ مساجد شہر میں کئی ہیں مگر یہ بہت خوبصورت تھی۔ بدھوں کے خاص ہیئت کے مندر جا بجا تھے۔ ایک جگہ سکھوں کا گردوارہ بھی نظر پڑا۔ ہم جس گھر میں پہنچے وہ بہت بڑا گھر تھا اور کئی منزل کی خوبصورت عمارت۔ کھلا صحن جس میں خوبصورت پھول اور پھلدار پودے اپنی اپنی بہار دکھلا رہے تھے۔ ہر پودے کے ساتھ مخصوص پرندوں کے پنجرے لٹک رہے تھے جن میں وہ اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔ یہ کاروباری حضرات کا گھر تھا اور شہر میں والد الگ، والدہ الگ دکان کرتی ہیں، اور ہر بیٹے کی الگ دکان ہے۔ یعنی سارا خاندان ہی کاروباری ہے۔ اور بہت اچھی بات ہے کہ دِن بھر سب لوگ کاروبار کرتے ہیں اور شام کو گھر جمع ہو جاتے ہیں۔ وہاں سے رخصت ہو کر جلسہ گاہ کو چلے جہاں انہوں نے ہمیں تین بجے کا وقت دیا تھا اور ولی عہد سلطنت نے چار بجے پہنچنا تھا۔ ایک گھنٹے کا پروگرام ان کا تھا۔ ہم غالباً ساڑھے تین بجے پہنچے۔

ایک خوبصورت گیٹ کے اندر بہت ہی وسیع جگہ تھی۔ لان کے درمیان میں تالاب، جس کے عین درمیان خوبصورت فوارے، بائیں ہاتھ مختلف دکانیں جن میں ہر شے دستیاب، اور ساتھ میں فاسٹ فوڈ اور کولڈ ڈرنکس بھی۔ دائیں ہاتھ ایک بہت بڑا ہال جس میں نماز کا اہتمام بھی تھا اور سٹیج پر مقررین ٹیلیویژن پر تقریر کرنے والے تھے، جس کے سپیکر اس بڑے ہال میں لگے تھے جو تالاب کے اُس پار تھا اور بہت ہی بڑا تھا۔ اس میں شاہی مہمان کے لیے سٹیج لگا ہوا تھا اور اس کے باہر ہر ملک کی اشیاء کی نمائش ان کے سفارتخانوں نے لگا رکھی تھی۔ ان دونوں ہالوں کے درمیان بھی شامیانے تھے جن میں کھانے

پینے کا اہتمام تھا اور ہر طرف بہت بڑے بڑے سکرین لگے تھے جہاں شاہی ہال کی ساری کارروائی نظر آرہی تھی۔ ہمیں بھی اندر لے جا کر سفارتکاروں کی قطاروں میں بٹھا دیا گیا۔ ہم تیسری قطار میں تھے مگر پیچھے کم و بیش ایک صد قطاریں کرسیوں کی تھیں جن کے درمیان سے راستہ تھا۔ سامنے شیخ الاسلام کی سیٹ تھی اور پھر سٹیج جس پر دونوں طرف درباری امراء کی سنہری کرسیاں لگی تھیں۔ درمیان میں شاہی کرسی جس کے دونوں طرف سنہری گلدانوں میں خوبصورت پھول سجے تھے۔ ساتھ سنہری میز جس پر پانی اور سگریٹ دان وغیرہ رکھا تھا اور کرسی کی پشت پر جرنیلوں کی سنہری کرسیاں تھیں جن پر بحری، بری اور ہوائی افواج کے سالار براجمان تھے، جن کی وردیاں اور سنہری سٹار خوب بہار دے رہے تھے۔ درباری خدام ایک ایک شے کو سلیقے سے سجا رہے تھے۔ سکیورٹی کا عملہ گلدانوں سے لے کر قالین تک چیک کر رہا تھا۔

ولی عہد عین چار بجے پہنچے اور سامنے سے ہال میں داخل ہوئے، جہاں کرسیوں کے درمیان استقبال کرنے والوں کی دو رویہ قطاریں تھیں۔ سارا ہال کھڑا ہو گیا۔ شہزادہ درمیان سے گزرتا ہوا سٹیج پر پہنچا تو ہر طرف کھڑے شاہی فوجی سلامی دے رہے تھے۔ پھر قومی ترانہ بجایا گیا اور جب ختم ہو گیا تو شہزادہ بیٹھ گیا۔ تب سارے ہال میں درود و سلام کے زمزمے سے گونج رہے تھے۔ پھر شیخ الاسلام اُٹھے اور پندرہ منٹ تقریر کی جو تھائی زبان میں تھی۔ جب وہ بیٹھے تو ولی عہد نے جوابی تقریر کھڑے ہو کر پڑھی، جو اُن کے کھڑے ہونے پر درباری خادم نے سنہری طشت میں رکھ کر پیش کی۔ اب مصیبت یہ کہ ولی عہد کھڑے ہیں تو سارا ہال کھڑا ہے۔ ان کی تقریر بھی تھائی زبان میں تھی۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ حضرت محمد ﷺ صرف مسلمانوں ہی کے نبی نہ تھے، وہ تو انسانیت کے نبی تھے اور ہم سب ان کا اتنا ہی احترام کرتے ہیں جتنا کوئی بھی مسلمان کرتا ہے۔ یوں تو ہر مذہب بنی آدم کو بہتر انسان بنانے کی سعی کرتا ہے مگر سب نے محدود پیمانے پر سعی کی جبکہ حضرت محمد ﷺ نے ساری انسانیت کو ایک خوبصورت انقلاب سے آشنا کر دیا۔ اور مسلمان ہمیشہ بہترین انسان بھی ہوتا ہے جس سے انسانیت اور ملک کو بھی ہمیشہ فائدہ پہنچتا ہے۔

جب شہزادہ بیٹھا تو صلوٰۃ و سلام کا زمزمہ گونجا جس پر سارا ہال کھڑا ہو گیا تو شہزادہ کھڑا ہو گیا اور یہ صلوٰۃ و سلام کوئی آدھا گھنٹہ جاری رہا۔ بہت لطف آیا، سارا ہال بڑی مزیدار آواز میں لاؤڈ سپیکر کی لے سے لے ملا کر پڑھ رہا تھا۔ خاتمے پر دعا ہوئی اور شہزادے نے انعامات تقسیم کیے۔

تین کنیزیں ادب سے آ کر شاہی نشست کے پاؤں میں بیٹھ گئیں۔ عجیب بات یہ تھی کہ کوئی خادم یا کنیز کھڑے ہونے کی حالت میں نہ شاہ کے سامنے جاتا اور نہ پیچھے سے آتا بلکہ جھک کر جاتے اور قریب جا کر بیٹھ کر رینگتے ہوئے آگے بڑھتے۔ لاؤڈ سپیکر پر ایک ایک نام پکارا جاتا، وہ آدمی آگے بڑھتا، جھک کر آداب بجالاتا، کنیز انعام کا پیکٹ شہزادے کے ہاتھ میں تھماتی اور وہ آگے عطا کر دیتا۔ جب یہ سلسلہ ختم ہوا تو دربار بھی ختم ہو گیا اور ہم نے زندگی میں پہلی بار شاہی دربار کی جھلک دیکھی، جس میں سب سے زیادہ مجبور بادشاہ تھا جو اپنی ایک ایک حرکت پر پروٹوکول کا قیدی تھا۔ بہر حال ہم بھی باہر آئے، عصرانہ کی اور دل سے یہ دُعا نکلی کہ کاش! اپنے وطن میں بھی میلاد کی ایسی سنجیدہ اور پروقار اور شاندار تقریب دیکھنے کو ملے جس سے سڑکوں پر ہنگامہ نہ ٹریفک بند، نہ دکانیں اور نہ ہی کوئی غیر شرعی حرکت، نہ غل غپاڑہ۔ سبحان اللہ! عظمتِ رسالت ایک ایک بات سے عیاں تھی۔

یہ حال ایک غیر مسلم ملک میں، غیر مسلم حکومت کا دیکھا۔ جبکہ وطنِ عزیز میں وزرا سب سے آگے ہاروں کا بوجھ گردن پر ڈالے، ہلڑ بازی کو میلاد شریف کے نام پر ہوا دیتے نظر آتے ہیں۔ خیر! وہاں

سے چلے تو گھر پہنچے۔ مغرب ہوگئی، احباب راہ دیکھ رہے تھے۔ بیان اور ذکر کی سعادت نصیب ہوئی۔ کھانا کھایا اور رات بارہ بجے تک ملاقات والوں سے واسطہ رہا، جبکہ دن کو بھی آرام کا لمحہ میسر نہ آیا تھا۔ مگر کیا کرتے حالات سنے تو سمجھ میں آیا کہ دُنیا کتنی مشکل جگہ ہے۔ کاش! ہمارے یہ مہربان علماء جو بات بات پہ فتویٰ تو صادر کرتے ہیں، متبادل اور درست راستہ دکھانے کی زحمت گوارہ نہیں کرتے، وہ بھی ان حالات پر غور فرماتے۔ ابن حلاج نے سولی پر چڑھتے ہوئے کہا تھا کہ جو میں جانتا ہوں اگر وہ یہ لوگ جان لیتے تو مجھے سولی نہ دیتے، اور جو یہ نہیں جانتے اگر میں بھی نہ جانتا تو کبھی انا الحق نہ کہتا۔ بات کچھ ایسی ہی ہے۔

تھائی لینڈ کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ مسلمان لڑکیوں کو جب بَر نہیں ملتا تو کافر لڑکوں سے شادی کرتی ہیں اور یوں اپنا دین دُنیا کی نظر کر دیتی ہیں۔ اب یہ حال ہندوستان میں بھی ہے۔ رات ایک خاتون سے ملاقات ہوئی جو عمر کا ایک لمبا حصہ گزارنے کے باوجود اسلام کو دل سے نہ بھلا سکی تھی اور اب ادھیڑ عمر میں یہ تمنا لیے پھرتی تھی کہ کاش! میرا خاوند مسلمان ہو جائے تو میں پھر سے اسلام کے دامن میں پناہ لوں۔ ہمارے پاس تو صرف اللہ کا نام ہی ہر مرض کی دوا ہے۔ اسے بھی ذکر سکھایا اور کہا خاوند کو بھی سکھاؤ کہ یہ ورزش صحت کی ضامن ہے۔ اللہ کرے! اُسے دین اور عقیدے کی صحت بھی نصیب ہو۔ ایک جوڑے کا مسئلہ ان کی بیٹی تھی جو بنکاک ایئرپورٹ پر سعودی ایئر لائن میں ملازم ہے مگر اس کا بوائے فرینڈ ایک غیر مسلم ہے جس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ ہماری ملاقات اس سے ہوائی اڈے پر بھی ہوئی تھی مگر جو کہانی اس کی ماں کے آنسوؤں نے سنائی، اس کا پتا نہ تھا۔ صبح اسے بلا بھیجا، اور کہا دوست کو بھی ساتھ لانا، اور یوں رات کے چند لمحے ہم نیند کی آغوش میں تھے، جس سے سحری کے ذکر کے لیے بیدار ہوئے۔ یہ مہینے کی آخری تاریخ یعنی 31- جنوری تھی اور اپنا بنکاک میں آخری دن۔ ناشتہ سے فارغ ہوئے تو وہ ملاقاتی آگئے۔ اللہ کے نام کا امرت دھارا ہی انہیں بھی دیا۔ اُس لڑکے کو بھی ذکر سکھایا کہ اللہ کا نام تو لو، شاید اللہ کرے اگلے دورے تک اسلام قبول کر چکا ہو اور یوں یہ شادی خالص اسلامی ہو جائے۔ ورنہ تو ان عصمتوں کے اجڑنے کی ذمہ داری سب مسلمانوں پہ برابر ہے۔

یہاں قیام کا یہ آخری دن سب دنوں کی نسبت مصروف ترین دن تھا۔ جوں جوں لوگوں کو خبر ہوئی کھچے چلے آرہے تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ ہم نے یہاں قیام کے لیے بہت کم وقت رکھا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا؟ بہت لوگ ملے، ذکر الٰہی سیکھا اور بیعت ہوئے۔ یہ سلسلہ بھی رات بارہ بجے تک چلتا رہا، جبکہ رات اڑھائی بجے ہمیں جاپان کے لیے جہاز میں سوار ہونا تھا۔ لہٰذا رات بارہ بجے گھر سے نکلے اور ہوائی اڈے پر PIA کا فرسٹ کلاس لاؤنج انجوائے کیا، جو بند پڑا تھا۔ ذرا غور کیجیے! کہ یہ لوگ جو باہر ممالک میں کئی گنا زیادہ تنخواہ پاتے ہیں، آرام سے سو رہے تھے اور لاؤنج کو تالا پڑا ہوا تھا۔ کیا خوب فرض شناسی ہے، کیا کر سکتے تھے؟ وہ چٹ جو بنکاک سے ٹلی خط کے ساتھ منسلک کر کے PIA کراچی کو بھیج دی کہ شاید کوئی جواب ہی طلب کر لیں۔ ان کا نہ سہی، ہمارا ہی سہی کہ میاں شکایت کیوں کرتے ہو۔ بہرحال جہاز اپنے وقت پر تھا جو عبدالجبار صاحب کے ہمراہ مجھے بھی لے اُڑا اور کرنل محبوب صاحب دوسرے روز واپسی کے لیے تیار تھے۔

ضرورت رشتہ

ایک نوجوان جس کی عمر 26 سال اور پیشے کے حوالے سے ایڈووکیٹ ہے کے لئے مناسب رشتہ درکار ہے۔

خواہش مند مندرجہ ذیل نمبر پر رابطہ کریں۔

0300-8397358

الاخوات، لاہور کے زیر اہتمام جلسہ

مسائی جمیلہ

الاخوات لاہور کے زیر اہتمام بروز ہفتہ، 27 فروری، 2016ء کو ایک محفل کا انعقاد کیا گیا۔ اس کا موضوع تھا "ام الامراض، تکبر"۔ ہمیشہ کی طرح زرینہ مال کی مسجد اپنی برکتوں سمیت اس پروگرام کا مقامِ انعقاد تھی۔ خواتین کی کثیر تعداد نے شرکت کی جن میں ساتھی بہنوں کے علاوہ بہت سے نئے چہرے بھی نظر آئے۔

الاخوات Glowing Hearts نے بطریق احسن سارا انتظام سنبھال رکھا تھا۔ پروگرام کا آغاز قرآنِ کریم کی تلاوت سے ہوا۔ سورۃ الحجر کی آیات 26 تا 42 کی تلاوت، مسجد کا بابرکت ماحول اور اللہ کریم کا بابرکت کلام، بس ہر دل متوجہ ہوگیا۔ الاخوات کی سپیکر نے سورۃ الحجر کی انہی آیات کی روشنی میں تکبر کی ابتداء اور ابلیس کا آدم علیہ السلام کو سجدے سے انکار کرنے سے لے کر ہر لمحہ انسانوں سے دشمنی نبھانے تک، ہر پہلو پر سیر حاصل گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ ابلیس کو جن ہونے کے باوجود اُس کی عبادت اور مجاہدوں کے طفیل فرشتوں کے ساتھ آسمانوں میں رہنے کی اجازت ملی۔ آسمان اور زمین کے ہر چپے پر سجدہ کر چکا تھا لیکن یہ سب وہ اپنی بڑائی، خود بڑا بننے کے لیے کرتا رہا۔ جب آزمائش آئی تو اس کے دل کا مرض 'تکبر' اُس کے انکار سے ظاہر ہوگیا۔ فرمایا: کان من الکافرین... وہ تھا ہی کافروں میں سے۔ جب اللہ کی بارگاہ سے براہِ راست حکم ملنے کے باوجود اُس نے انکار کی جرأت کی تو یہ انتہائی ناشکری اور گستاخی تھی۔ اگر سجدے اللہ کی عظمت کو کیے ہوتے تو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا قطعی مشکل نہ ہوتا کہ اطاعت مقصود تھی۔ پوچھا گیا کہ تُو نے کیوں انکار کیا؟ تو کہنے لگا کہ میں اسے کیونکر سجدہ کروں، یہ تو مٹی سے بنا ہے اور آپ نے مجھے آگ سے بنایا ہے۔ آگ، مٹی سے بہتر ہے انا خیر منہ... میں اس سے بہتر ہوں۔ ابلیسی رویے کے بارے میں یہ قابلِ غور بات ہے کہ اُسے اللہ کے خالق ہونے کا اقرار ہے لیکن اطاعت میں 'تکبر' مانع ہے۔ چنانچہ نہ صرف ابلیس نے سجدے سے انکار کیا بلکہ خود سے یہ فیصلہ بھی کرلیا کہ وہ انسان سے بہتر ہے، اور پھر توبہ کرنے کی بجائے اپنی سرکشی کا الزام اللہ کریم پر لگانے کی گستاخی بھی کی۔ کہا کہ جس طرح آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے میں آدم کی اولاد کو گمراہ کروں گا۔ اس نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے سپیکر نے کہا کہ ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ہم عموماً اپنی غلطیاں قسمت کے ذمے لگا کر فارغ ہوجاتے ہیں، یہ ابلیسی رویہ ہے۔ انہوں نے کہا ابلیس کی نگاہ اس بات تک ہی محدود رہی کہ حضرت آدم کا وجود مٹی سے بنا، اس نے روح کی عظمت کا انکار کردیا، پہچانا ہی نہیں حالانکہ تمام ملائکہ فوراً حکمِ الٰہی پر سر بسجود ہوگئے تھے۔ اللہ کریم نے فرمایا تھا کہ جب میں اسے سنوار لوں اور اس میں اپنی روح پھونکوں تو اسے سجدہ کرنا لیکن ابلیس "وجود" تک ہی رہ گیا۔ آگ اور مٹی کے تقابل میں کھو گیا۔

سپیکر نے کہا کہ اگر ہماری ساری زندگی کا محور بھی صرف مادی وجود کی خدمت اور آرائش ہی بن جائے اور ہم روح کی حیات، روح کی غذا اور دوا کا اہتمام نہ کریں تو گویا ہم بھی اسی ابلیسی مرض کا شکار ہیں۔

تکبر سے محفوظ رہنے کے لیے انہوں نے بتایا کہ قرآن میں آتا ہے کہ اللہ کے مخلص بندوں پر اس کا وار نہیں چلے گا۔ گویا خلوص ایک ایسی دیوار ہے جس میں ابلیس نقب زنی نہیں کرسکتا اور اپنا ہتھیار 'تکبر' اس

میں داخل نہیں کرسکتا۔ اللہ کریم نے بھی اُسے اجازت ومہلت دے دی کہ اپنی دشمنی آزمالے لیکن یہ بھی فرمادیا کہ میرے خالص بندے تیرے دام میں نہیں پھنسیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم شیطان کے وسوسوں کا گلہ کرتے رہتے ہیں، ہر بے عملی کو شیطان کے ذمے لگاتے رہتے ہیں، ہم کیوں اللہ کے بندے نہیں بنتے؟ ہم کیوں اُن مخلص بندوں میں شامل نہیں ہوتے جن پر شیطان کا کوئی زور نہیں چلے گا؟ ہمیں تو ایسا ہونا چاہیے کہ جہاں ہم جائیں شیطان کی محفلیں اُجڑ جائیں اور اُسے مصیبت پڑے کہ یہ کون لوگ آگئے ہیں۔ اب یہاں میرا زور نہیں چلے گا۔

انہوں نے کہا کہ تکبر تمام بیماریوں کی جڑ ہے، بنیاد ہے کہ باقی ساری رذیل خصلتیں اسی سے نکلتی ہیں۔ حسد، بغض، بخل، حرص، ریا، حُبِ جاہ وغیرہ سب اسی کا شاخسانہ ہیں۔ حسد ایک ایسی بیماری ہے جو تمام نیکیوں کو ایسے ضائع کردیتی ہے جیسے لکڑی کو آگ کھاجاتی ہے۔ ایک شخص جب دوسرے کے پاس نعمتیں دیکھتا ہے اور اُن کے زوال کی خواہش کرتا ہے تو وہ حاسد ہے۔ اس کی بنیاد بھی تکبر ہے کہ اس کے زعمِ باطل میں اللہ تعالیٰ کی تقسیم غلط ہے اور نعمتوں کی تقسیم گویا اس کی مرضی سے ہونا چاہیے تھی۔ اسی طرح بخل بھی تکبر سے پیدا ہوتا ہے کہ انسان برتری قائم رکھنے کے لیے کسی کو کچھ دینا نہیں چاہتا۔ یہاں تک کہ علم روک لیتا ہے کہ کوئی اس سے آگے نہ نکل جائے وغیرہ۔ انہوں نے کہا کہ اکثر خواتین اپنی Recipie تک چھپالیتی ہیں کہ کوئی اور ویسا نہ پکا لے۔ دراصل اس کے پیچھے وہی بڑا بننے کا مرض ہوتا ہے۔ ایسے ہی ریا یعنی دکھاوا بھی بڑا بننے ہی کی آرزو ہوتی ہے۔ انسان اپنی حیثیت سے بڑا لگنا چاہتا ہے۔ اس بیماری میں متوسط سے بھی نچلے طبقے کو زیادہ گرفتار پایا گیا ہے۔ وہ قرض اُٹھا کر مرنے والے کی ایسی رسومات پر خرچ کرتے ہیں جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ سب برادری میں اپنی ناک رکھنے کے لیے کرتے ہیں۔

اسی طرح انہوں نے کہا کہ غیبت بھی تکبر سے جنم لیتی ہے۔ جس کی غیبت کی جاتی ہے اس کا مقام گرانے کے لیے کی جاتی ہے تاکہ اپنی بڑائی یا برتری قائم ہو۔ یہ بھی دلچسپ بات ہے کہ متکبر اپنے سے بڑے کی خوشامد کرتا ہے اور کمزور پر دھونس جماتا ہے۔ اگر اتنا بہادر ہے تو کسی کی غیبت کیوں کرتا ہے؟ گویا اتنی جرأت نہیں رکھتا کہ اُس کو روبرو برا کہہ سکے۔ مال ودولت، حُبِ جاہ بھی اپنی بڑائی ثابت کرنے کے لیے ہیں۔ انسان اپنی عظمت ثابت کرنے کے لیے مال ودولت، عہدہ و اقتدار کا طالب بلکہ حریص بن جاتا ہے۔

شیخ نے بتایا کہ کبر صرف اللہ کی ذات کو جچتا ہے۔ انسان تو ہر آن ہر لحہ محتاج ہے۔ اس کے دانت میں درد ہوجائے تو بلبلا اُٹھتا ہے۔ نیند پوری نہ ہو تو بے حال ہوجاتا ہے۔ بھلا اسے کب زیب دیتا ہے کہ اللہ کی کائنات میں رہتے ہوئے اللہ ہی سے بگاڑلے؟ انہوں نے قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں ثابت کیا کہ ہر قوم نے اپنے نبیؑ کو تکبر کی وجہ سے تنگ کیا۔ اُن کا انکار کیا اور ناحق قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ متکبرین کا ابدی ٹھکانہ 'خلودفی النار' ہے اور وہ انتہائی بری جگہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ تکبر ایک ایسا مرض ہے جس کا مریض اللہ کریم سے ہمیشہ شکوے ہی کرتا رہتا ہے۔ اس کا ایک ہی وطیرہ ہوتا ہے کہ ہر وقت اپنی مصیبتیں گنتا رہتا ہے۔ کہتا ہے میرا تو اللہ نے کبھی کچھ کیا ہی نہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے وہ خود کو نجانے کیا سمجھ بیٹھا ہے کہ چاہتا ہے کہ ہر کام اس کی مرضی سے ہو اور خواہش کے مطابق فوراً ہوجائے۔

تکبر کے بارے میں حدیث شریف کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔ انہوں نے کہا کہ تکبر رائی کے دانے کی مقدار میں بھی بہت بڑا پہاڑ بن جاتا ہے اس لیے کہ جس عظمتوں والے رب کے مقابلے میں کیا جاتا ہے تو رائی کا دانہ بھی بہت بڑا جرم بن جاتا ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی کو کبر زیب ہی نہیں دیتا۔ مخلوق کے لیے تکبر باطل ہے، جھوٹ ہے لہٰذا اس کی کم سے کم مقدار بھی جنت کی خوشبو سے بھی محروم کردے گی۔ جنت اور اس کی تمام تر نعمتیں تو اُن لوگوں کے لیے ہیں جن کی زندگی کا مقصد ہی رضائے الٰہی تھا۔ اب

بھلا جو اپنی بڑائی کے زعم میں مبتلا ہو گیا وہ جنت کی راہ پر کیونکر چل سکے گا؟ اس کی خوشبو جو کوسوں دور تک پھیلی ہوگی کیونکر پا سکے گا؟ ایک آیۂ مبارکہ پر روشنی ڈالتے ہوئے سپیکر نے بتایا کہ تکبر ایک ایسی بیماری ہے کہ بار بار توبہ شکن ثابت ہوتی ہے اور انسان مصیبت میں تو اطاعت کے بڑے وعدے کرتا ہے اور جیسے ہی مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر اپنی روش پر آ جاتا ہے۔ رسومات اور بدعات کو سنت خیر الانام پر ترجیح دینے کا سبب بھی دل میں چھپا کبر ہے۔

آخر میں سورۃ السجدہ کی آیت 15 پر روشنی ڈالتے ہوئے اللہ کے مقبول بندوں کی صفات بیان کیں کہ مومن تو وہ ہیں جو اللہ کی آیات سن کر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں یعنی اُن کے احکام دل و جان سے قبول کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔ گویا تکبر اور ایمان ایک دل میں یکجا نہیں ہو سکتے۔ انہوں نے انسانوں کی محتاجی سورۃ لقمان کی آخری آیات کی روشنی میں استفہامیہ انداز میں اُجاگر کی کہ ایک شخص کتنی دور کی سوچتا ہے، منصوبے بناتا ہے اور درحقیقت اتنا بے بس ہے کہ نہیں جانتا کہ وہ اگلے دن کن حالات سے دوچار ہوگا، کیا کر بیٹھے گا؟ اُسے یہ بھی خبر نہیں کہ کب موت فرصتِ عمل ختم کر دے گی اور کس خطہ زمین پر وہ آخری سانس لے گا۔ بے بس اتنا ہے کہ خود چل کر مقام اجل پر پہنچ جاتا ہے۔ حقیقی کامیابی تو یہی ہے کہ اللہ کی عظمت کا اقرار کیا جائے اور اسی منعم حقیقی کو دل کی ہر دھڑکن میں بسا لیا جائے۔ تکبر کا علاج ذکر کثیر ہے اور جب بدن کا ہر ذرہ خود اللہ اللہ کرے گا تو تب جا کر کثرتِ ذکر کا قرآنی مطالبہ پورا ہو سکے گا۔ حدیث مبارکہ کے مفہوم پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر چیز کو چمکانے کی پالش ہے اور دلوں کی پالش اللہ کا ذکر ہے، اسم ذات کی تکرار ہے اور یہ اتنا عظیم اور اہم نسخہ ہے کہ خود نبی کریم ﷺ کو تاکید کی گئی۔ وہ ہستی جس کی ایک نگاہ جنہیں نصیب ہو گئی اُن کے وجود ذاکر ہو گئے لیکن اس سب کے باوجود آپ ﷺ کو بھی حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنے رب کے نام کا ذکر کیجیے۔

محفل کے اختتام پر ذکر بھی کروایا گیا اور یوں یہ بابرکت محفل اختتام کو پہنچی۔ مسجد کے باہر، زرینہ مال کے اندر ہی کتابوں کا سٹال بھی لگایا گیا تھا اور La cuisine کی عمدہ پیشکش بھی موجود تھی جس میں مختلف لذیذ اشیائے خورد موجود تھیں۔ الحمدللہ! اللہ کریم نے یہ سعادت بخشی کہ الاخوات لاہور، اللہ کے گھر میں ذکر اللہ کے چراغ جلاتی رہیں۔ اللہ کریم قبول فرمائیں اور سب کے لیے زادِ راہ بنائیں۔ اللہ کریم شیخ المکرم مدظلہ العالی کے درجات بے حد بلند فرمائیں اور اُن کا سایہ تا دیر سلامت رکھیں۔ آمین!

گذشتہ سے پیوستہ

بادام

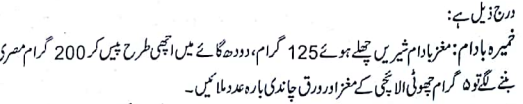

حکیم عبدالماجد اعوان، سرگودھا

کشتہ مرجان: مغز بادام شیریں 30 گرام کو گائے کے دودھ میں پیس کر نغدہ بنائیں اور دس منٹ آگ دیں۔ یہ عمل تین بار کریں۔ مرجان کا عمدہ کشتہ ہوگا۔ کمزوری دماغ کے لیے بہت مفید ہے۔ ایک رتی خمیرہ بادام سے استعمال کر کے اوپر سے نیم گرم دودھ پئیں۔ خمیرہ بادام کا نسخہ درج ذیل ہے:

خمیرہ بادام: مغز بادام شیریں چھلے ہوئے 125 گرام، دودھ گائے میں اچھی طرح پیس کر 200 گرام مصری کے قوام میں بنا لیں۔ جب قوام بننے لگے تو ۵ گرام چھوٹی الائچی کے مغز اور ورق چاندی بارہ عدد ملائیں۔

انتباہ: روغن بادام ہمیشہ مشین میں دبا کر ہی نکالا جائے۔ یہ بے ضرر ہوتا ہے، لیکن اگر کبھی ہاتھ سے روغن نکالنا ہو تو سب باداموں کو چیک کر کے ہی روغن نکالیں۔ کیونکہ اس طریقہ سے اگر کڑوے باداموں کا روغن نکل گیا۔ تو وہ سخت زہریلا اثر پیدا کر سکتا ہے، اگر کبھی غلطی سے تلخ بادام کا زہریلا اثر پیدا ہو جائے اور مریض ابھی بے ہوش ہوا ہو تو رائی کا سفوف 50 گرام، پانی 250 گرام ملا کر قے کرائیں اور ایمونیا کا راب سنگھائیں۔ بہتر یہ ہے کہ ہر مغز بادام چیک کر کے استعمال کیا جائے تاکہ زہریلے اثر کا خطرہ پیدا ہی نہ ہو۔

صقارہ ایجوکیشن سسٹم کا مرکزی ادارہ علوم جدیدہ اور دینیہ کا حسین امتزاج

صقارہ سائنس کالج

SIQARAH

بزرگانِ دین کی سرپرستی بچوں کی سیکورٹی کا اعلیٰ انتظام صاف ستھرا ماحول

داخلہ 2016 برائے جماعت لوئر مڈل سے ایف ایس سی

صقارہ سسٹم آف ایجوکیشن میں ٹیلنٹ ٹیسٹ کا آغاز اور طلباء کیلئے خصوصی مراعات کا اجراء

۱۔ ٹیلنٹ ٹیسٹ میں 85% مارکس حاصل کرنے والے طلباء کی داخلہ فیس اور ماہانہ فیس مکمل طور پر معاف

۲۔ ٹیلنٹ ٹیسٹ میں 80% مارکس حاصل کرنے والے طلباء کی داخلہ فیس مکمل طور پر معاف

۳۔ ٹیلنٹ ٹیسٹ میں 75% مارکس حاصل کرنے والے طلباء کیلئے داخلہ فیس میں 50% رعائیت

طلباء کیلئے مخصوص نشستیں

والدین سے فوری رابطے کی اپیل

اپنے بچوں کا مستقبل روشن کرنے کیلئے مذہبی اور آرمی ڈسپلن کے لحاظ سے اپنی مثال آپ، صقارہ سسٹم آف ایجوکیشن کا انتخاب کریں

نمایاں خصوصیات

سیلکشن، امیدوار کا تحریری امتحان، انٹرویو اور میڈیکل پاس کرنا لازم ہے

- ✔ جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کشادہ کیمپس
- ✔ فیس کم، معیار اعلیٰ، بھائیوں کیلئے فیس میں خصوصی رعایت اور میرٹ اسکالرشپ
- ✔ مستعد اور تجربہ کار اساتذہ
- ✔ نظم وضبط اور اسلامی شعائر کی پابندی
- ✔ کھیلوں کے وسیع وعریض میدان
- ✔ والدین کو sms کے ذریعے حاضری اور امتحانی نتائج کی فوری اطلاع

داخلہ جاری ہے

ہاسٹل کی سہولت موجود ہے

پرنسپل: ملک اختر حسین ایم فل کیمسٹری۔ بی ایڈ۔ ایم ایڈ

صقارہ سائنس کالج دار العرفان منارہ ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال

or more Info: www.Siqarahedu.com Mob: 0313-6919797 Ph: 0543-562222

also trust your Sheikh. He will never lie to you for projecting his own eminence; and if he does that then he is not a Sheikh, but an imposter, a crook and a seeker of mundane goals. If this is the case then stay away from such a person, as he is himself wayward and will lead you astray. So, keep this in mind and fully participate in all the fronts of life and prove that you are a person of integrity and class. This indeed is the real task to be done. Those who dedicated themselves to the path of Taswwuf and forgot about the world, were also very fortunate people but they only carried out half of the task. To maintain the system, by which the world is governed, is also a plan of Allah (SWT) and it is our duty to keep it going as per Allah's commands. Comprehensive targets were achieved by those who managed their worldly affairs according to the ways prescribed by Allah (SWT) and also kept a diligent attention on matters pertaining to their Hereafter. Those who ignored the Hereafter and got totally engrossed in this world, were worse than those who ignored the world and focused only on the Hereafter. Though, the latter, too, had achieved half of the goals. The complete mission was accomplished only by those, who had lived a life with an eye on the Hereafter. We find such examples in the history of the sub-continent, in which there were men who ruled he sub-continent and spent their nights in Zikr and worship. They made their place in Taswwuf as well as upheld justice in this world. They fought wars against oppression and gave justice to the people and yet they spent their nights in supplication. You must all try to keep vigil over all matters of the Order, pay attention to them, instead of somebody having to remind you, every month.

Be happy to know that your Order is the only Order in the world that is active in the field of spiritual progress. There are people in other orders, too, but the kind of work being done by this Order, and the strength with which it is making a difference, is one of its kind. There are no parallels to it in the entire world and this indeed is a gift from Allah (SWT). However, as I mentioned earlier, there is a cause behind everything, so your hard work has been accepted, as the cause behind these achievements. Now, If Allah (SWT) forbid, you show slackness in your efforts, then it will reflect over the entire world and all the efforts being carried out, globally, for Islam, will also diminish. Unfortunately, we will be responsible for this decline; so every one of you must put in his/her efforts and do as much as he/she can. Remember this path is endless and is laden with innumerable treasures, so do not settle for less, rather keep going on. This is attainable only, while we are still alive, as death will bring it to a halt. There were so many fellow seekers present at last month's congregation, but are no longer with us, this month. Who knows, who will depart before the next congregation, from amongst us. Hence, we must make the best of the time that is available to us and participate in all the activities of the Order. Every participant will receive his/her reward, for contribution into the various activities of propagation, carried out by the centre, such as its publications, monthly Al Murshed and other books. So, please do not lag behind and be active, in all spheres of activity of the Order. May Allah (SWT) grant you the capacity to work hard and grant it acceptance.

(THE END)

could. It was all by Allah's granted capacity. In the cold winter nights, I would get up at 2 AM, and do Zikr on Lataif, till Fajr at 6 AM. This was over and above the Zikr done earlier at night. I am only telling to encourage you and invite you towards this effort; not to make myself as someone eminent. So please note that for Taswwuf the first prerequisite is to strive strenuously in this cause, and then it should be only taken to attain the Pleasure of Almighty Allah. If someone stands all night in water and repeats some verses, with the aim of acquiring fame and wealth or to subjugate jinn or to become known as a pious man, then such exercises do not fit in the word "وجدنا". When the entire exercise or striving is purely aimed at seeking Allah's Nearness and Pleasure, then Allah (SWT) says that He opens up many avenues that lead to Him (SWT). It is not a single path but there are multiple paths that facilitate their journey. So, the basic requisite is hard work and as Allah (SWT) blesses the seeker with spiritual elevations, more hard work becomes imperative to maintain that status. If more progress is desired then one has to put in more efforts to qualify for the next round.

Our misfortune is that when we attain a few meditations, then we think that it is enough, so we do not need to work hard or progress further. This is not the right attitude as we must realize that the journey on this path is endless, and it is only while we are alive that we can attain new stations and heights. Once we die our respite to act will be over and thus no further progress is attainable. Listen very carefully and bear in mind that you must strive in this path with as much effort as you can possibly make. A person whose Lataif (subtleties) become illuminated, he can rest assured that his ten trillion body cells, say Allah Allah every moment, and ten trillion times his body remembers Allah (SWT) in a single moment. Today, we are living in an era, I feel, that a person who can hold on to the correct set of beliefs and faith, is indeed a WaliAllah, a Saint. In the past people had to face difficulty in correcting their actions but now it has become difficult to protect one's faith and be steadfast on the right beliefs. The Exalted Saints are also very rarely found and then there are two aspects of their capability; one is to be able to receive the Beneficence from a Sheikh and for this, too, a special capacity to absorb the Beneficence is required. The capacity to absorb Beneficence is purely from Allah (SWT), by His (SWT) Will and is gifted upon those who are striving hard in His pursuit. The second part of this is most difficult; it is to be able to transfer or pass on the Beneficence to the hearts of the seekers. In the past there have been many accomplished saints, who attained a lot of Beneficence and Excellence, but could not pass it on to others. This again is a special Divine Favor, bestowed upon some saints, from Allah (SWT), and it must be understood that such periods of spiritual Glory do not remain forever like every thing else. Hence it is my utmost request to put in your best efforts, with sincerity and hope, for the best results from Allah (SWT). He (SWT) will never let you down.

When it comes to your relationship with your Sheikh, it demands that you should

STRIVING IN ALLAH(SWT)'S CAUSE

Translated Speech of
Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

Continued...
Bayan: 7th April 2013

This world is called "دنیا" which literally means something near or tangible. It stems from the word "دنا" which means getting very, very close. Since this world is in our view, whatever we do good or bad, we see the result immediately; so we work very hard and employ all possible resources to achieve our goals. Though we get only what has been predestined; this entire effort therefore becomes an act of obedience and worship. Allah (SWT) has commanded us to believe in the Hereafter and put in our best efforts, in its attainment. However, we cannot see the Hereafter, because it is hidden, but every believer is seeing it through his Prophet (SAWS) Noble eyes. Now, it is up to the believer to evaluate his relationship with those Noble eyes (SAWS). To establish this link, to cleanse the eyes of our hearts, we will have to strive hard. If you see the life history of accomplished saints, we see that each one of them worshiped beyond their endurance, because they were the people who knew the value of the Hereafter.

When Hazrat Maulana Allah Yar Khan (RUA) completed his education, his opinion about the concept of life after death, was different. His opinion was The deniers say that there is no life of Barzakh, and it has nothing to do with this life. So, Hazrat (RUA), also somewhat held similar views, when he returned from his institution of learning. When he (RUA) met his Sheikh and accepted the teachings, he (RUA) sat at his Sheikh's doorstep for sixteen years and engaged himself in Zikr, round the clock. Hazrat (RUA) used to visit his home for a month only during the season, collected the land's harvest and gave the provisions to his family. He would then return to his Sheikh's audience. This remained his routine for sixteen years.

In the beginning, Hazrat (RUA) would take all his disciples, every year, to his Sheikh Hazrat Allah Din Madni (RUA)'s grave and only he (RUA) would conduct the Spiritual Oath. When I was blessed with the Spiritual Oath (روحانی بیعت), it was conducted by Hazrat Allah Din Madni himself. Then, till the last days of Hazrat Allah Yar Khan (RUA)'s life, all of us who attended his noble company can recall that we never heard any discussion apart from Deen, Tasawwuf, striving in this path and Zikr. Hazrat (RUA), himself trained all his disciples, conducted Zikr, and taught these subtleties, personally. Later, when Allah (SWT) confessed this capacity upon me, I tried my level best to strive hard as I

Infact, a similitude for all organs of the *Rûh* can be found in the physical body. And the reality of the *Rûh* has been left vague by Divine Will. No details have been given. (***Tuhfa tul-Qari Sharah al-Bukhari***, v: 44, p: 2)

This indicates that the outward appearance of the *Rûh* coincides exactly with the appearance of its host body.

Barzakh is also termed as the minor Doomsday where the *Rûh* remains alive; and the Hereafter is the major Doomsday, about which the *Qurân* says:

> *Verily, the Home of the Hereafter, that is the life indeed.* (21: 64)

Obviously, in comparison to this terrestrial life, the Hereafter is the most complete and comprehensive life. Death and extinction is the lot of this globe and all that lies within, but the life in the Hereafter is eternal. Therefore, all that lies in the eternal abode, whether in part or as a whole shall not experience death. When there is requital for the *Rûh*, then it is evident that it is alive, because there is not requital for the extinct. That is why the *Rûh* sees, hears and speaks; in fact, all its faculties attain the level of excellence in the Hereafter. When the *Rûh* enters a body, the characteristics of the body viz. childhood, youth and old age become evident. Similarly, the limitation of human intellect and understanding during childhood, and its gradual improvement with the age also become visible. All these are characteristics of the physical body, whereas the *Rûh* is blessed with intellect, maturity and wisdom right from the moment of its creation. Had this not been true, then it could not have replied, "Yes" to the Divine question, "Am I not your Rabb?" To hear, understand, and reply a question is a proof of *Rûh*'s wisdom and maturity.

When a *Rûh* is associated to a body, its connection with that body is permanent in nature. It is then blessed with the organs of the body. The body is entrusted with certain powers and faculties; some of which are sensory, others abstract. While in the body, the *Rûh* derives knowledge through the faculties of the body. The sensory perceptions of a body are elementary at birth; and since the *Rûh* is made subservient to it in worldly life, thus with the development of the body, corresponding increase in these physical capabilities can be observed. Had the *Rûh* not been made subservient to the body here, then every person would have become accountable right from birth because of the *Rûh* having been created wise and mature. But because of its association with the body, a certain age has been transfixed for accountability. This is known as the age of puberty.

When a person passes away from this world, the *Rûh* is separated from the body and becomes independent. Here many people erred and tried to prove the existence of *Rûh* possible only as a similar body in *Barzakh*. This amounts to the denial of *Rûh*'s independent existence. This belief is untenable. The *Ahl-e Sunnah* unanimously believe that the *Rûh* exists on its own in *Barzakh*, and the body is subservient to it. The body created out of clay is blessed with life only because of *Rûh*.

Shah Abdul Aziz writes:

> *Rûh* gives movement to the body, while it gets its own life and movement from Divine lights. My dear fellow, it is not possible to comprehend this completely.

Rûh is against the Book, the Hadith and the creed of righteous precursors. Whosoever believes in an illusion has gone astray. May ALLAH guide him!

The *Rûh* is from the Realm of Command

Now the question arises: How was the *Rûh* created? Writes Imam Razi:

> The origin of the *Rûh* is from the Rabb of the Tremendous Throne (the Command of my Rabb), while the human body originates from clay. The Creator ordained love between the two to enable them to accept commands and the tribulations of the worldly life. So the *Rûh* is a 'foreigner' and the body a 'native'. Therefore, be mindful of your responsibilities towards this stranger. (*Tafsir-e Kabir*)

What is the Realm of Command

Imam Ghazali, one of the greatest masters of *sûfi* thought, discussing the Realm of Command and the created world concludes that between these two, the Tremendous Throne ('*Arsh*') is the barrier.

> The Realm of Command is among the things that exist but is beyond the reach of experience and imagination. Being boundless and devoid of all matter, it cannot be measured in terms of time and space. (*Risala-e Rûh*)

What Else is Identified with the Realm of Command

The author of the famous *Tafsir-e Mazhari* (vol: XIV, p: 407) writes in the explanation of the verse, "Truly His is all the Creation and Command."

> The learned *sûfis* define the Realm of Creation and the Realm of Command thus: The former comprises the Tremendous Throne ('*Arsh*'), things thereunder and whatever is in them, and in between the heavens and the earth. It comprises the four elements: fire, water, air and clay; and things created there from, i.e. souls in living beings, and in plants and minerals. These souls are subtle bodies which are flowing in physical bodies, all belonging to the created world. The Realm of Command comprises incorporeal beings, i.e. *Lataif—Qalb*, *Rûh*, *Sirri*, *Khaffi* and the *Akhfa*, all above the Tremendous Throne. These souls flow in human beings, Angels and devils just as the rays of the sun flow onto a mirror. These *Lataif* are attributed to the Realm of Command because they have not been created from any matter instead through His direct Command. Writes Baghavi, quoting Sufyan bin Ayaina that the created world and the Realm of Command are two separate entities, whosoever considers them as one is an infidel.

Note: This discussion shows that the *Rûh* and other *Lataif* named above are from the Realm of Command, not created from any matter. The Realm of Command is also known as the Realm of Wonder or the Realm of Infinity.

The Form of *Rûh*

The human body is a material entity; its shape, physique and the organs can be seen by our physical eyes. But the question arises as to how the human *Rûh* looks like? Or is it just an abstract element? This has been discussed in al-Bukhari in the following words:

> In conformity to the physical appearance of a human body, the *Rûh* too has a subtle appearance. It also has eyes, ears and limbs.

An Objective Appraisal of The Sublime Path

Translation of "Dalail us Suluk" written by Hazrat Maulana Allah Yar Khan (RAU)

Continued....

RUH (The Spirit)

Chapter-V

Now a glimpse of the other rejected view: Hadhrat Anwar Shah Kashmiri has reproduced this view in his *Urf-e Shuzi* (p: 10-11). It is traceable to the philosophers and the theologians or *sûfis*, who subscribed to this view, were directly influenced by them. These narrow philosophers say that the *Rûh* is independent.

> The assertion that the *Rûh* exists by itself has been made by Zada, Allama Halimi, Imam Ghazali, Imam Ragheb, Abu Zaid Dabosi Hanafi and of M'amer from the old Mu'tazilah (non-conformists) and all the modern Shi'ites, a number of *sûfis* also hold this view. To them the *Rûh* is an abstract element, it is neither included nor excluded from the body, and its connection with the body is like that of the Creator with the universe. They hold that the *Rûh* is immortal, and contingent in time. Ibn-e Qayyäm has refuted this view so thoroughly with cogent reasons that no further rebuttal is required. (***Rûh al-Ma'ani***, p: 24 & 53; and ***Urf-e Shuzi***, p: 11)

The above extract shows that the rejected view is shared by men from Shãf'ai, Hanafi, Mu'tazilah and Shi'ites schools of thought; all brow-beaten by the philosophers. The former and the right view is held by a large group of *sûfis* of deep enlightenment and a vast majority of the Muslim theologians, in particular, by the great righteous of old. In fine, the *Rûh* is a body, subtle, refulgent, looking exactly like the physical body which bears it. After departing the physical body, it does not need any identical body. Life connotes perception, motion, sight, hearing, speech and the presence of all corporeal potentialities both inward and outward. The *Rûh* gives life to the physical body and needs material appendages to deal with the materialist affairs. It does not owe its existence to the physical body; on the contrary, it animates it. While in *Barzakh*, it cannot make itself heard in the material world. That is why it cannot be heard or seen; though by itself it articulates and hears; though it lives and subsists by itself.

It has been proved earlier that it has the same form as the physical body that bears it. The *Rûh* by itself is a subtle body like the Angels, hearts of the Prophets (AS) and the *aulia*. It does not need material means to see or hear or make itself heard by other subtle bodies. The question of its likeness in *Barzakh*, therefore, does not arise. That would mean that another body provides life to it; it cannot subsist by itself, has no adjunct and is like a stone (God forbid). In fine, to preconceive

MONTHLY
Al-Murshid

May 2016
Rajab-ul-Murajab/ Shabban-ul-Mukarram 1437H

الله
رسول
محمد

عَنْ اُمِّ اَنَسٍ ؓ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَوْصِنِیْ قَالَ اِهْجُرِی الْمَعَاصِیَ فَاِنَّهَا
اَفْضَلُ الْهِجْرَةِ وَحَافِظِیْ عَلَی الْفَرَائِضِ فَاِنَّهَا اَفْضَلُ الْجِهَادِ وَاَكْثِرِیْ مِنْ ذِكْرِ اللهِ فَاِ
نَّكِ لَا تَاْتِيْنَ اللهَ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ ذِكْرِ اللهِ...

(المعجم الكبير للطبرانی، حديث:313، ج:25، ص:129)

Hazrat Umme Ans (RAU) narrates that she asked the Prophet (SAWS) to give her some advice. He (SAWS) said: Refra[illegible] from sins as this is the best migration. Fulfill your [illegible] this is the best Jehad. Do Zikr Allah, In abundance, [illegible] the most appreciated deed in Allah (SWT)'s Court.

The best of all and the most fortunate people are those who cherish Nearness of Allah (SWT) as their goal; who strive whole heartedly to please Allah (SWT) and to seek His Nearness. (Page:8)
Sheikh-ul-Mukaram Ameer Muhammad Akram Awan (MZA)

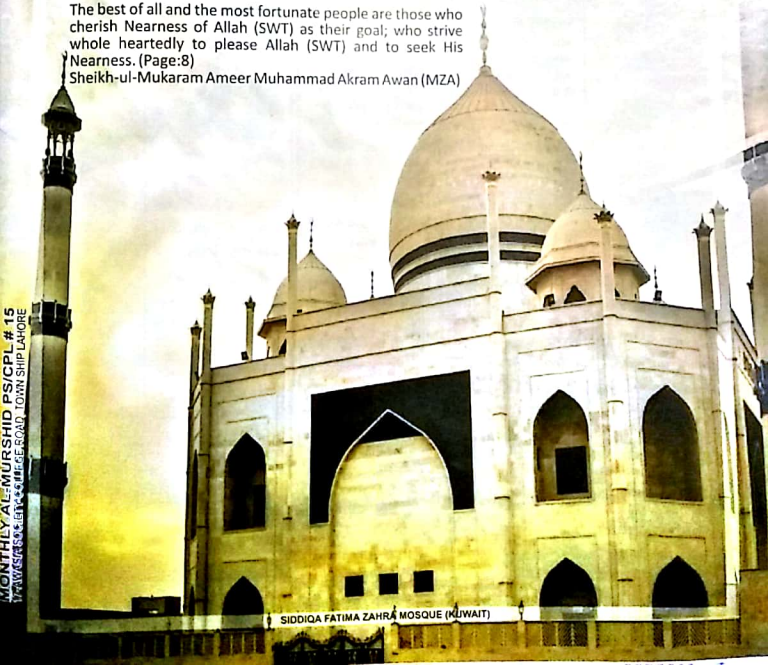

SIDDIQA FATIMA ZAHRA MOSQUE (KUWAIT)

MONTHLY AL-MURSHID PS/CPL # 15
17-AWAIS SOCIETY COLLEGE ROAD, TOWN SHIP LAHORE

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جاکر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1-مفسّر، مترجّم و مفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2-مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔4-اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔5-حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6-ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7-پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8-اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔ 9-سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255